نمرہ احمد

حالم

تالیہ خواب میں فاتح کے سن باؤ والے گھر میں، خود کو ایڈم کے ساتھ خزانہ تلاش کرتے ہوئے دیکھتی ہے۔ فاتح تالیہ سے اپنی فائل کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اور اسے اپنے گھر آنے سے منع کر دیتا ہے۔ تالیہ کو عصرہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ سکہ ایڈم کے پاس ہے۔ ایڈم اسے ایک جیولر کو بیچ دیتا ہے۔ تالیہ اس کے حوالے سے اسے الجھا دیتی ہے اور جیولر کو بلیک میل کر کے سکہ نکلوا لیتی ہے، مگر سکہ اس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ایڈم اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

فارض صاحب کے ذریعے فاتح کو حالم کا پتا چلتا ہے۔ فائل کی واپسی کے لیے حالم صبح تک کا وقت مانگتا ہے اور اس منصوبے میں فاتح کو بھی شامل کرتا ہے۔ فاتح اس کی باتوں سے متاثر ہو کر راضی ہو جاتا ہے۔ ایڈم پر سکے کا اسرار کھلتا ہے۔ حالم پتا چلا لیتا ہے کہ فائل اشعر کے آفس میں ہے۔

سمیع، تالیہ کو بلیک میل کرنے آتا ہے۔ بازار میں داتن، سمیع کو خوف زدہ کر دیتی ہے۔ حالم جان پہ کھیل کے اگلے روز ہی فائل اشعر کے سیف سے چرا کر لا دیتا ہے۔ فاتح، حالم سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔

ایڈم کو تالیہ مشکوک لگتی ہے۔ وہ تالیہ کی گردن پہ نشان دیکھتا ہے تو اسے تاریخی کہانی یاد آ جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ تالیہ اس سکے کے پیچھے ہے جو ایڈم کے پاس ہے۔ عصرہ سے فاتح جھوٹ بولتا ہے۔ عصرہ کو فاتح اور اشعر دونوں پہ غصہ آتا ہے۔ فاتح سن باؤ کو بیچنے سے پہلے وہاں ایک دن گزارنے جاتا ہے۔ عصرہ، تالیہ کی فرمائش پہ اسے بھی بلا لیتی ہے۔ فاتح سن باؤ کے گھر کی کہانی سناتا ہے۔ تالیہ اس گھر کے کنویں کو دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ خزانہ کہاں ہے۔ وہ فاتح سے اس گھر کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔



مگر وہ اسے بیچنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فاتح کو یاد آتا ہے کہ وہ عصرہ اور بچوں کے ساتھ پہاڑوں کی سیر کو جاتا ہے، جہاں آریانہ کو اس کی آیا دھوکے سے اغوا کر لیتی ہے۔ فاتح، آریانہ کے گرائے ہوئے پاپ کارن کے ذریعے آریانہ کی لاش تک پہنچ جاتا ہے۔ آریانہ مزاحمت کے دوران پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس کے اغوا کار بھی کھائی میں گر کر مر جاتے ہیں۔ فاتح آریانہ کی مسخ شدہ لاش دفنا دیتا ہے۔ اور اس کی موت کا کسی کو نہیں بتاتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آریانہ کو صوفیہ رحمٰن نے اغوا کرایا تھا۔

ایڈم ملاکہ پہنچ جاتا ہے۔ ایڈم کو یقین دلانے کے لیے تالیہ بریسلیٹ اس کو دے دیتی ہے۔ ایڈم شک میں پڑ کر راستے میں فاتح کو سچ بتاتا ہے۔

تالیہ فاتح کے گھر میں خزانے کا راستہ تلاش کر لیتی ہے۔ فاتح اور ایڈم بھی پہنچ جاتے ہیں۔ فاتح اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہے، مگر تالیہ خزانہ دیکھنے پر بضد ہوتی ہے۔ بالآخر تینوں بحث کے بعد ایک دروازے سے گزرتے ہیں۔ جہاں سے وہ ایک جنگل میں پہنچ جاتے ہیں۔ دروازہ غائب ہو جاتا ہے۔

راستے میں وہ ہی حالات پیش آتے ہیں جو تالیہ خواب میں دیکھ چکی ہے۔ اسے داتن کی باتوں میں سچائی نظر آنے لگتی ہے کہ وہ پندرہویں صدی کی لڑکی ہے جو وقت سے آگے نکل آئی تھی۔ خزانے کے لالچ میں، اور سچ کی تلاش میں تالیہ، فاتح اور ایڈم پرانے زمانے میں پہنچ جاتے ہیں۔

فاتح پر کھل جاتا ہے کہ تالیہ ہی حالم ہے۔ اب اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ وہ حالات سے گھبرانے کے بجائے جنگل سے نکلنے کا سوچتا ہے۔ اور از خود ان دونوں کا لیڈر بن جاتا ہے۔

جنگل میں تالیہ کو آگہی ملتی ہے۔ کہ شہزادی تاشہ اس کے گاؤں کے لوگوں پر ظلم ڈھا رہی ہے اور اس نے تالیہ کے بابا کو بھی قید کر لیا ہے۔ تالیہ کو شہزادی تاشہ سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔ مگر ایڈم اور وان فاتح تاریخی کتابوں کے حوالے سے تاشہ کو جانتے ہیں۔ وہ دونوں تاشہ کی تعریف کرتے ہیں اور وان فاتح تاشہ کا فین ہے۔

وان فاتح کو اپنے ملک میں ہونے والے انتخابات کی بھی فکر ہے اس کا خیال ہے کہ مراد دوبارہ چابی بنا دے گا تو وہ واپس اپنے ملک چلے جائیں گے اس مقصد کے لیے قدیم ملاکہ جانا ضروری ہے۔

یہ لوگ رین فاریسٹ میں سے راستہ تلاش کر کے جنگل میں جاتے ہیں۔ جہاں تالیہ ہرن کا شکار کر کے اسے آگ پر بھونتی ہے۔ کھانے کی یہ خوشبو قدیم ملاکہ کے لوگوں کو متوجہ کر لیتی ہے۔ اور تین قدیم باشندے وان فاتح، ایڈم اور تالیہ کو زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایسے میں تالیہ کو دوبارہ آگہی ملتی ہے جب وہ ملاکہ کے ایک یتیم خانے میں جانے کیسے پہنچ گئی تھی۔ وہاں کی انچارج مسز ماریہ نے اس کا بریسلیٹ اتار لیا تھا اور ایک سنار کو بیچ دیا تھا مگر وہ سنار کے لیے بدبختی لایا تھا۔ وہ پھل نہیں رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ دوسری مصیبتوں میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ یتیم خانے کی میڈم ایگنیس تالیہ پر چوری کا غلط الزام لگاتی ہے۔ اور اسی ضد میں تالیہ چوری کرنا اور زبردستی اپنا حق چھیننا سیکھتی ہے۔

یتیم خانے میں مسٹر ذوالکفلی آتے ہیں جو تھوڑا وقت بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تاکہ اپنا من پسند بچہ ایڈاپٹ کریں۔ ان کا زیادہ وقت تالیہ مراد کے ساتھ گزرتا ہے۔ جو ہمہ وقت کسی پہاڑی پر محل کا اسکیچ بناتی ہے۔ ذوالکفلی اسے پیلے گلاب اور سکے کا ایک شعبدہ دکھا کر متاثر کرتے ہیں۔

ذوالکفلی ایک کون آرٹسٹ اور اسکامر ہے۔ وہ یتیم خانے میں بچہ ایڈاپٹ کرنے نہیں آیا تھا، بلکہ کسی جگہ نظر رکھنے آیا تھا اور موقع ملتے ہی وہاں سے ہیرا لے اڑا۔ پولیس تالیہ سے اس کا اسکیچ بنواتی ہے۔ تو وہ غلط اسکیچ بنا کر اسے بچا لیتی ہے۔

تالیہ کو بار بار یتیم خانے میں اپنے ساتھ ہونے والا برا سلوک یاد آتا ہے۔ اسے لاہور کے ایک گھر میں لے جایا جاتا ہے، جہاں اس پر اس فیملی کے دادا جی کے قتل کا جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے۔ وہ سچائی ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ وہ ملائیشیا کو یاد کرتی ہے۔ جہاں اس نے بالآخر ذوالکفلی کو ڈھونڈ نکالا تھا اور احسان مندی کے طور پر ذوالکفلی نے اسے اپنا سارا ہنر سکھا دیا تھا۔

تالیہ، ایڈم اور فاتح کو "ابوالخیر" نامی آدمی کے کارندے ایک پنجرے میں قید کر کے گھوڑا گاڑی کے ذریعے قدیم ملاکہ کے شہر لے جاتے ہیں۔ تالیہ خود کو اور ایڈم کو آزاد کرا لیتی ہے۔ مگر فاتح کو آزاد کرانے سے پہلے اغوا کاروں کو خبر ہو

جاتی ہے۔ وہ دونوں فاتح کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ فاتح کو ایک قید خانے میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں ایک "البینو" قیدی کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہے۔

قید میں فاتح کو ادراک ہوتا ہے، وہ ماضی میں کسی خاص مقصد سے بھیجا گیا ہے۔ وہ خود کو حالات کے رحم و کرم پہ چھوڑنے کے بجائے ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تالیہ کی ذہانت سے وہ دونوں اپنے اغوا کاروں کو جل دے کر بھیس بدل کر شہر میں ہی پھرتے ہیں۔ جہاں تالیہ یہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہ خود شہزادی تاشہ ہے اور بنداہارا کی بیٹی ہے۔ بنداہارا مراد اپنے ساتھیوں سے غداری کر کے انہیں پکڑوا دیتا ہے اور خود بادشاہ سے جو اس کا ماموں زاد ہے مل جاتا ہے۔ تالیہ صدمے سے چور ہو کر خزانے کی چابی حاصل کر لیتی ہے اور وقت کا دروازہ پار کر جاتی ہے۔ راجہ مراد، تالیہ کو اپنی بیٹی تاشہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے۔

ایڈم، وان فاتح کو ابوالخیر کی غلامی میں کام کرتے ہوئے، موقع پا کر تالیہ کے بارے میں بتاتا ہے فاتح اسے تالیہ کی کہانی سمجھتا ہے تالیہ یہ جان کر غصے میں آ جاتی ہے اور طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تین بے گناہ افراد جن میں ایڈم بھی شامل ہے گرفتار کروا کے مختلف سزائیں دیتی ہے ایڈم کو شاہی کتب خانے میں کام کرنے کی سزا ملتی ہے۔

تالیہ کو اپنے باپ مراد کے خیالات جان کر دھچکا لگتا ہے۔ وہ ہر صورت چابی حاصل کر کے ملائشیا واپس آنا چاہتی ہے۔ مگر راجہ مراد بے جا طاقت کا اور ظلم کا مظاہرہ کر کے تالیہ کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔ راجہ کی خاص کنیز شریفہ اس کی جاسوسی کرتی ہے۔ مگر تالیہ اس کی کمزوری پتا چلا کر اس کی وفاداری خرید لیتی ہے۔

ملکہ یان سوفو چینی بادشاہ کی بیٹی اور بادشاہ مرسل کی بیوی ہے مگر وہ ایک ظالم عورت ہے اور اس کے مقابل بنداہارا مراد ہے۔ جو بادشاہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

وان فاتح کو ابوالخیر اپنے باورچی خانے میں کام پر رکھ لیتا ہے۔ وہ اسے اچھی غذائیں کھانے کو دیتا ہے تاکہ نیلامی میں اس غلام کی اچھی قیمت ملے۔

تالیہ، فاتح سے ملاقات کا موقع نکال لیتی ہے۔ وہ جاننا چاہتی ہے کہ تاریخ میں اس نے کیا کارنامے انجام دیئے تھے مگر فاتح نہیں بتاتا۔ ایڈم "بنگارایا ملایو" کے رائٹر کا تھیلا چرا لیتا ہے۔ جس نے ابھی کتاب لکھنی شروع نہیں کی۔ تالیہ وہ تھیلا لیتی ہے۔

ابوالخیر شاہی خزانچی بننا چاہتا ہے، وہ بادشاہ کی دعوت کرتا ہے۔ جہاں ملکہ اور راجہ مراد بھی ہوتے ہیں۔ تالیہ بھی وہاں پہنچ جاتی ہے۔ بادشاہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔ ملکہ یان سوفو "وانگ لی" کو شاہی خزانچی بنانا چاہتی ہے۔ مراد، ابوالخیر کو۔ وان فاتح، سن باؤ کے وانگ لی سے متاثر ہے دعوت میں سن باؤ وانگ لی بھی موجود ہوتا ہے۔ ابوالخیر اس سے خطرہ محسوس کر کے فاتح کے ہاتھوں اسے زہر دلواتا ہے مگر فاتح وانگ لی کو خبردار کر دیتا ہے۔

فاتح، وانگ لی سے بے حد متاثر ہے اور اسے خزانچی دیکھنا چاہتا ہے مگر تالیہ ابوالخیر کو خزانچی بنانے کی سفارش کرتی ہے۔ فاتح کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے، تالیہ، ایڈم کو شاہی مؤرخ تعینات کرتی ہے۔ فاتح تمام غلاموں میں آزادی کا جذبہ جگاتا ہے اور اپنے ساتھ کا یقین دلاتا ہے۔ راجہ مراد تمام اہم عہدوں پر بادشاہ کو قائل کر کے اپنے آدمی تعینات کر دیتا ہے اور ہر ادارے کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ تالیہ، شاہی مؤرخ سے اپنی جھوٹی تعریفیں لکھواتی ہے۔

تالیہ راجہ مراد کی غیر موجودگی میں اس کے خزانے کے کمرے کی تلاشی لیتی ہے تو اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ راجہ خفیہ طور پر کمائی گئی دولت، کسی خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھتا ہے۔ تالیہ، مسجد کے نام پر پیسہ حاصل کرنے کے لیے ابوالخیر سے ساز باز کر لیتی ہے۔ فاتح کو پتا چل جاتا ہے، وہ ناراض ہوتا ہے اور نیلامی میں وانگ لی کا غلام بننے کو ترجیح دیتا ہے۔ فاتح مستقبل کی باتیں بتا کر وانگ لی کو متاثر کرتا ہے۔

یان سوفو کے والد کو بادشاہ مرسل کی نظر لگ جاتی ہے، وہ اس کے توڑ کے لیے بادشاہ کا مستعمل غسل کا پانی

چاہتی ہے مگر شاہی طبیب آنا کانی کرتا ہے۔ تالیہ مداخلت کر کے طبیب کو ملکہ کا حکم ماننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ملکہ، تالیہ کی جاسوسی کرواتی ہے مگر تالیہ باتوں باتوں میں اس کا دل اپنی طرف سے صاف کر دیتی ہے۔ بادشاہ کے حوالے سے اس کے خدشات بھی دور کر کے واضح کرتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی خاطر ضرور واپس جائے گی۔

فاتح کے کہنے پر محمود مرفی، وانگ لی سے مدد چاہتا ہے مگر وہ انکار کر دیتا ہے۔ وانگ لی کے انکار سے اس کی شخصیت کا بت فاتح کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے۔

راجہ مرسل تالیہ کے فن اور تالیہ سے متاثر ہو کر اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایڈم کی زبانی یہ بات سن کر فاتح کا دماغ گھوم جاتا ہے۔ راجہ مراد کو شک ہو جاتا ہے کہ تالیہ اپنے ساتھ کسی مرد کو لائی ہے وہ اسے تلاش کرواتا ہے۔ تالیہ بھی یہ بات بھانپ لیتی ہے اور فاتح کو خبردار کرتی ہے۔ راجہ مرسل تالیہ کے باپ کو تالیہ کا رشتہ دیتا ہے۔

ملکہ یان سوفو کی کنیز یہ بات ملکہ کو بتاتی ہے۔

چودھویں قسط

سلطنت محل میں دربار سے مخالف عمارت میں ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا جس میں فرشی نشست بچھی تھی۔ گاؤ تکیے لگے تھے اور سامنے دو فٹ اونچا چبوترہ بنا تھا جیسے قوالی کے لیے بنایا جاتا ہے۔

اس فرشی نشست پہ حاضرین کی طرف رخ کر کے ایڈم دوزانو بیٹھا تھا۔ سامنے چھوٹی میز پہ قرینے سے سجے صفحات رکھے تھے جن پہ وقفے وقفے سے وہ نظر ڈالتا اور پھر چہرہ اٹھا کے حاضرین کو دیکھ کے ادب سے پڑھتا جاتا۔

سامنے پہلی صف میں سلطان مرسل، بنداہارا اور چند وزراء بیٹھے تھے۔ وانگ لی مرسل کے بائیں جانب تھا۔ پچھلی صفوں میں درباری مرد بیٹھے تھے۔

''اور یہ اسی ماہ کی بات ہے جب وانگ لی کے چائے خانے ''جیا'' میں....

ہوئی ایک شام گرم بحثوں کی....

ایڈم مرسل شاہ کی تعریفوں اور شہزادی تاشہ کے قصیدوں کے بعد اب 'جیا' کے اس قصے پہ آیا تو آواز جوش سے بلند ہونے لگی۔

بنداہارا مراد قدرے چونک کے سننے لگا۔

''ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا رئیسوں اور قاضی کے خلاف...

اور کرنے لگا غلاموں کی حمایت...

جن کو قید کرتے تھے بااثر لوگ اغوا کر کے...''

آخری صف میں دوزانو ہوئے چند خاص سپاہی اور اعلا عہدیدار غلام بیٹھے تھے۔ وان فاتح ان میں سے ایک تھا۔ آنکھیں چندھی کر کے وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔

''اور بولا وہ بھری محفل میں آواز بلند کر کے....

نہیں ڈرتا میں رئیسوں کی دوستی کے چھن جانے سے...''

مرسل شاہ نے قہوے کی پیالی نیچے رکھی اور دلچسپی سے سننے لگا۔ مراد البتہ چونکا ہوا لگتا تھا۔ تاثرات سنجیدہ تھے۔

''کیونکہ اللہ نے مطمئن کر رکھا ہے میرا نفس شاہوں کی دوستی سے...

گھوما ہوں میں اعلا سواریوں میں، رہا ہوں میں اونچے محلوں میں....''

ایڈم کی آواز جیسے کسی مغنی کی طرح فضا میں پھیلتی گئی، حاضرین کا جوش و تجسس بڑھتا گیا۔ قصہ دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ بس سب کو یہ سب کہنے والے جری مرد کا نام جاننے میں دلچسپی تھی۔

''پھرا ہوں میں ملک ملک، اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے، جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لیے آخر دم تک۔

کیونکہ میں...'' ایڈم نے مسکراتے ہوئے حاضرین کو دیکھتے ہوئے نظریں کاغذ پہ جھکائیں اور پڑھا۔

''وا....'' وہ اٹکا... نظریں اٹھائیں تو یہ نظریں بدلی ہوئی تھیں۔ تھوک نگلا اور فقرہ مکمل کیا۔

''کیونکہ میں وانگ لی ہوں۔ سن باؤ تائی ژان۔

شاہ چین کا سب سے وفادار غلام!''

اور اس کی پلکیں جھک گئیں۔ منوں بوجھ ان پہ آن پڑا تھا۔ بدقت اس نے آنکھیں اٹھائیں، تو دیکھا... سامنے جہاں مرسل شاہ نے خوشگوار حیرت سے گردن موڑ کے وانگ لی کو دیکھا۔

''کیا واقعی یہ تم نے کہا وانگ لی؟ اتنے خوب صورت بے باک الفاظ؟''

وہاں مراد راجہ نے اطمینان کی گہری سانس لی۔

''ظاہر ہے، یہ وانگ لی کی اعلا پائے کی تربیت ہی ہے آقا، جو وہ کسی خوف و خطر کے بغیر اپنے 'اصل' کو رئیس زادوں کے سامنے بھی یاد کرنے سے نہیں رکتا۔''

پیچھے بیٹھے درباریوں کی بھی توصیفی واہ واہ گونجی۔

وانگ لی جہاں خود قدرے حیران تھا، راجہ کی بات پہ پھیکا سا مسکرایا۔ ''آقا... میں....'' وضاحت دینے کے لیے لب کھولے۔

''ہمارے دل میں تمہاری قدر و منزلت مزید بڑھ گئی ہے، وانگ لی۔ خوش رہو۔'' مرسل شاہ نے زور سے اس کا شانہ تھپکا۔ پھر خوشگوار انداز میں واپس مؤرخ کی طرف گردن موڑی۔

''تم اچھا لکھتے ہو، آدم! آگے پڑھو۔ تمہارا کلام سننے میں لطف آ رہا ہے۔'' اور سامنے چھوٹی میز پہ رکھے... پھلوں میں سے ایک گچھا اٹھا کے منہ میں رکھا۔

وانگ لی نے بدقت مسکراتے ہوئے سر کو خم دیا۔ ''شکریہ آقا'' اور خاموش ہو گیا۔

وہ قدرے حیران سا تھا۔ بار بار ایڈم کو دیکھتا تھا جیسے اچنبھے میں ہو مگر ایڈم اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے بس ایک نظر دور پیچھے بیٹھے فاتح پہ ڈالی۔

فاتح اس کو خود کو دیکھتے پا کے تلخی سے مسکرایا اور استہزائیہ سر جھکایا۔ اس کی نظروں کا ملال اور تلخی... ایڈم کی آنکھیں جھک گئیں۔

محفل برخاست ہوئی اور سلطان، جو چینی امداد کی خوشی کے نشے میں سرمست تھا، اٹھنے سے پہلے ایڈم کو شاہی خلعت سے نواز گیا اور اشرفیوں سے بھری تھیلی بطور انعام بھی دی۔ ایڈم نے خاموشی سے وہ رکھ لی، جھک کے سلطان کا شکریہ ادا کیا اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

ایک ایک کر کے سب رخصت ہو گئے تو وہ تیزی سے باہر آیا۔ وانگ لی اپنے غلاموں کے ہمراہ دوسری سمت میں جا رہا تھا۔ ایڈم تیزی سے ان کے قریب آیا۔ فاتح نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ بس رفتار آہستہ کر دی۔ وانگ لی اور دوسرے غلام آگے نکل گئے۔ وہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

''سر....'' وہ بے چینی سے بولا۔ ''میں.... میں شرمندہ ہوں۔ جو میں نے کہا وہ سچ نہیں تھا، میں نے سچ چھپایا، مگر....''

''یہ خلعت سنبھالو ایڈم۔ یہ کافی بھاری ہے۔ تم پہ بوجھ بڑھ گیا ہے۔''

''مگر سر....''

''مجھے کچھ بُرا نہیں لگا۔ بلکہ اچھا ہوا کہ میرے خدشات دور ہو گئے۔ میں نے جان لیا کہ اب بس وہی ہو گا جو بنگارایا ملایو میں لکھا ہے۔ مجھے اسی طرح پلان بنانا ہو گا۔ شکریہ ایڈم۔''

وہ سپاٹ سا کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

ایڈم مٹھیاں بھینچے، بے بسی سے دور جاتے وانگ لی اور اس کے غلام کو دیکھتا رہا۔

وہ بنداہارا کے محل کے باغ میں تھی جب ایڈم

اس کو ڈھونڈتا ہوا وہاں آیا۔

باغ میں ایک جگہ بڑے بڑے پتھروں سے سنگی نشستیں بنی تھیں' جیسے مشروم کے سر کاٹ دیے ہوں اور وہ ایک سر کٹے مشروم پہ بیٹھی' اپنا لباس دائیں بائیں پھیلائے' دور افق پہ دوپہر کے سورج کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بادلوں کے پیچھے چھپا آدھی نارنجی ٹکیا جیسا دکھائی دیتا تھا۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا' چے تالیہ؟" وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

"کیا میں نے آپ کو مسودہ اس لیے دیا تھا کہ آپ اس میں وان فاتح کے نام کی جگہ وانگ لی کا نام لکھ دیں؟ اس سے پہلے آپ نے میرا لکھا ایک حرف بھی نہیں بدلا۔ تو یہ کیوں؟" وہ سخت زخم خوردہ' نظر آتا تھا۔ مسودہ سنانے سے قبل ایک دفعہ بھی پڑھ لیتا تو ذہنی طور پہ تیار تو ہوتا مگر اسے گمان تک نہ گزرا تھا کہ وہ یہ کر دے گی۔

"کیا وہ خفا تھے؟" تالیہ کی نظریں سورج پہ تھیں۔

"ظاہر ہے ان کو بُرا لگا ہے۔ کیونکہ ہم نے جھوٹ بولا ہے۔ سچ کو چھپایا ہے۔"

"یا شاید اس لیے کہ ہم نے ان سے مزید 'فین' بنانے کا موقع چھین لیا ہے اور..."

"بات فینز کی نہیں ہے' چے تالیہ۔" وہ بے زار ہوا تو وہ ایک دم سے اٹھی اور اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ سختی تھی۔

"ایڈم بن محمد.... میری بات کاٹے بغیر سنو..." وہ غرّائی تو وہ بالکل چپ ہو گیا۔ "تمہارے فاتح صاحب اکیسویں صدی میں ایک اسٹار سیلبرٹی تھے۔ ان کے لاکھوں فینز تھے۔ وقت کی قید نے ان سے وہ مقام چھین لیا کہ جہاں ان کو صنم بنا کے ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ فینز کو پرستار اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ستارے کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو پرستاروں کی عادت ہو جائے' ان کے لیے پرستش کروائے بغیر رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ حب جاہ اور حب چاہ.... وہ ان دونوں کے بغیر ادھورے ہیں۔ ظاہر ہے ان کو برا لگے گا کہ ہم نے ان سے مزید پرستار بنانے کا موقع چھین لیا۔ اردگرد دیکھو.... ان کا کوئی فین نہیں ہے یہاں۔"

"چے تالیہ.... آپ نے.... ایسا کیوں کیا؟" وہ دکھی تھا۔

"کیونکہ.... میں نہیں چاہتی ان کو توجہ ملے۔ وہ کسی کی نظروں میں آئیں۔ وانگ لی ایسے الفاظ بولے تو کوئی نہیں چونکے گا۔ لیکن اگر کوئی غلام بولے تو بنداہارا ضرور چونکے گا۔ میرا باپ اس وقت ملاکہ میں ہر آدمی کی گردن کو دیکھ رہا ہے تاکہ وہ نشان ڈھونڈ سکے۔ اگر اس کو تمہاری کتاب میں دیوتا بنے شخص کی گردن پہ وہ نشان مل جائے تو وہ کیا حال کرے گا وان فاتح کا' احساس ہے تمہیں؟"

ایڈم بالکل چپ ہو گیا۔

"میں جو کر رہی ہوں' ہم تینوں کی بھلائی کے لیے کر رہی ہوں۔ تم غلاموں کی کہانی لکھنا چاہتے ہو' لکھو' مگر اس کو وانگ لی کے نام سے لکھو یا کسی اور نام سے۔ مگر فاتح کا نام تم اپنی کتاب میں نہیں لکھو گے۔ یہ میرا حکم ہے۔" وہ تحکم سے چبا چبا کے بولی۔

ایڈم نے اپنے سامنے کھڑی شہزادی کو نظر اٹھا کے دیکھا۔ اس کے عقب میں بنداہارا کا محل نظر آ رہا تھا' اور وہ اس محل کی طرح اونچی' بارعب اور شاہانہ لگ رہی تھی۔

"میں اس حکم کو نہیں ماننا چاہتا۔ میں نے وان فاتح سے وعدہ کیا تھا کہ...."

"ایڈم بن محمد...." وہ ایک دم غرّائی تو وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹا۔ "تم یہاں.... میرے حکم پہ.... کھڑے ہو۔ تمہیں یہاں تک میں (سینے پہ انگلی رکھے) لائی ہوں۔ میں ملاکہ کے بنداہارا کی بیٹی شہزادی تاشہ بنت مراد ہوں۔ اس محل میں وہ ہوتا ہے جو میرا حکم ہوتا ہے۔ میرے سامنے اپنی توجیحات مت رکھو۔ تم وہی لکھو گے جو میں چاہوں گی ورنہ تم اس دنیا میں تاعمر بھٹکتے رہو گے۔ سنا تم نے!"

محل دونوں کے درمیان آ گیا تھا۔ طاقت کا پلڑا بے قابو ہو گیا تھا۔ پیمانے اوپر نیچے ہونے لگے اور اپنی اپنی جگہ پہچاننے لگے۔

ایڈم کے کندھے ڈھیلے ہو کے گر سے گئے۔ اس نے سر جھکا دیا۔ "جو حکم' شہزادی۔"

وہ ایک برہم نگاہ اس پہ ڈالتی' لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' تیز تیز آگے بڑھ گئی۔ وہ سر جھکائے اس اداس سے باغیچے میں کھڑا رہا۔ سامنے موجود محل نے کان میں سرگوشی کی۔

"طاقت میں بہت طاقت ہے' بے وقوف مؤرخ!"

☆☆☆

ملکہ کی خواب گاہ سرخ اور زرد رنگ کے پردوں اور قالینوں سے سجی تھی جن پہ مختلف طرح کے شیر اور اژدھوں کی شکلوں کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ دیوار کے کھلے خانوں میں چینی کے برتن اور صراحیاں سجی تھیں۔ پلنگ کے اوپر سرخ جالی دار پردے گرتے نظر آتے تھے۔ غرض وہ ہر طرح سے "شاہ چین کی دختر" کا کمرہ لگتا تھا۔

ملکہ یان سوفو اندر داخل ہوئی تو دربار کے برعکس اس کے چہرے پر ناخوش گواری تھی۔ رنگت گلابی دہک رہی تھی' ماتھے پہ بل تھے اور وہ غصے میں تھی۔

اس کی خاص کنیز بھی پیچھے آئی اور دہلیز پار کر کے کونے میں کھڑی ہو گئی۔

یان سوفو آگے بڑھی.... سنگھار میز تک آئی اور کلائی سے چوڑیاں اتارنے لگی۔

"ملکہ.... ہم کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔ آقا شہزادی تاشہ کو اپنے حرم میں داخل نہیں کریں گے۔"

"پانچ سال کی تھی جب گھوڑے پہ چڑھنا سیکھا تھا میں نے۔" وہ رگڑنے والے انداز میں چوڑیاں اتار اتار کر پھینک رہی تھی۔ آنکھیں شدت جذبات سے سرخ پڑ رہی تھیں۔

"نو سال کی ہوئی تو قیدیوں پہ مشقوں کے دوران ایک قیدی کی پیشانی میں پہلا تیر گھونپا تھا میں نے۔ شاہ چین کی بارہ بیٹیوں میں سے سب سے لاڈلی اور محبوب تھی میں۔"

"ملکہ...." کنیز نے غمگین نظروں سے اسے دیکھ کے کچھ کہنا چاہا مگر وہ سن نہیں رہی تھی۔

"بائیس برس کی ہوئی تو اپنی ہر فن سے آراستہ بیٹی کو بابا نے سینکڑوں چینی اہلکاروں کے ساتھ اس ملک کی طرف روانہ کر دیا۔ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھڑا کے مجھے مسلمان بنایا گیا۔ پھر ایک ایسے سلطان سے میری شادی کر دی جس کو میں جانتی تک نہ تھی مگر حکم تھا کہ یہی کرنا ہے۔ یہ دونوں ملکوں کے لیے خوش بختی لائے گا۔ یہ کیسی خوش بختی ہے جو چین کی شہزادی کے دل کو روند کے ملتی ہے؟" اب وہ اپنی گردن سے زیور نوچ کے اتار رہی تھی۔ نظر اٹھا کے آئینے میں دیکھا تو آنکھیں بھیگ گئیں۔

"جس سلطان کو کھانا کھانے کی تمیز نہیں' جس کو اپنے دماغ سے سوچنا تک نہیں آتا۔ جس کو دوسرے چلاتے ہیں اور جس کو میں نے ہر قربانی دینے کے بعد سدھارنے کی کوشش کرنا چاہی۔ اپنے ملک کے لیے..... چین کے لیے۔ اپنے شاہ کے لیے۔ وہ سلطان آج کہتا ہے کہ وہ میرے مقابلے پہ ایک دوسری ملکہ لے آئے گا۔" آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہوئے اس نے تاج اتارا اور دیوار پہ دے مارا۔

کنیز سہم کے پیچھے ہوئی۔

یان سوفو نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

"وہ شاہ چین کی بیٹی کے مقابلے پہ دوسری عورت لائے گا؟ وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟"

"ملکہ' ضرور شہزادی تاشہ نے آقا کو اپنے جال میں پھنسایا ہو گا ورنہ آپ کی خوبصورتی کے سامنے تو...."

یان سوفو نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔

"شہزادی تاشہ!" پھر چہرہ اٹھایا اور آئینے میں عکس دیکھا تو کاجل آنسوؤں کے باعث مٹا مٹا سا تھا اور جوڑے سے لٹیں نکل کے ادھر ادھر بکھری تھیں۔

"شہزادی تاشہ کے چہرے پہ تیزاب پھینک سکتی

ہوں میں.... اسے زنداں میں ڈال سکتی ہوں۔ اس کی جان لے سکتی ہوں۔ مگر....'' اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آنکھوں پہ رکھیں اور ان کو رگڑنے لگی پھر انگلیاں ہٹائیں' چہرہ اٹھایا اور گہری سانس لی۔

''مگر میں پانچ برس کی تھی تو گھوڑے پہ چڑھنا سیکھا تھا۔ اتھرے جانور کو قابو کرنا مجھے تب سے آتا ہے۔'' آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑے۔

نو سال کی تھی تو قیدی کے سر پہ رکھے سیب کی جگہ پیشانی میں تیر گھونپا تھا۔ کیونکہ کان میں بابا نے کہا تھا کہ مشق تو ناٹک ہے' اصل مقصد اس قیدی کو مارنا ہے۔ تب سے محل کے رازوں اور سازشوں کا ستعمال کرنا آتا ہے۔'' اس نے غازے سے اٹا رومال اٹھایا اور اس سے چہرے کو تھپتھپایا۔ رنگت میں سفیدی اور گلابی گھل گئی۔

''شاہ چین کی بارہ بیٹیوں میں سے سب سے لاڈلی اس لیے تھی کیونکہ بابا کو معلوم تھا' میں انسانوں کو پڑھ بھی سکتی ہوں اور ان سے نپٹ بھی سکتی ہوں۔'' لالی اٹھائی اور لبوں پہ لگائی۔

''بائیس برس کی تھی تو اس لیے مجھے تنہا شاہی دستے کے ساتھ غیر ملک میں روانہ کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے' یان سوفو تنہا مقابلہ کرنا بھی جانتی ہے۔ دونوں ملکوں کو خوش بختی ملے گی' مگر یان سوفو کا دل اب مزید نہیں روندا جائے گا۔'' اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور جیسے الجھی لٹوں کو سنوارا۔ پھر سنگھار میز پہ رکھا دوسرا تاج اٹھا کے سر پہ رکھا۔

''میں اب صرف شاہ چین کی بیٹی نہیں ہوں۔ میں ملاکہ سلطنت کی ملکہ بھی ہوں اور مجھے مرادراجہ اور شہزادی تاشہ سے زیادہ چالیں چلنا آتی ہیں۔'' پھر اس نے گردن موڑی اور کنیز کو دیکھا تو اب قدرے پُرسکون اور سپاٹ نظر آتی تھی۔

''شہزادی تاشہ کو کل محل میں بلاؤ۔ ہم ظہرانہ ایک ساتھ کھائیں گے۔''

کنیز نے الجھ کے اسے دیکھا مگر سر تسلیم خم کر لیا۔ ''جو حکم' ملکہ!'' اور الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔

☆☆☆

''جیا'' پہ مغرب کا اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ اندر قندیلیں روشن کر دی گئی تھیں اور بڑا ہال کھچا کھچ بھرا نظر آ رہا تھا۔ پسماندہ' زبوں حال سے نوجوان اور ادھیڑ عمر مرد میزوں پہ بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف نظر آتے تھے۔ بعض عجلت میں کھا رہے تھے جیسے ان کو واپس پہنچنے کی جلدی ہو۔

ہال کا ایک دروازہ رسوئی میں کھلتا تھا جہاں چولہے رکھے تھے اور چھت کھلی تھی۔ دھواں فضا میں اُڑتا جا رہا تھا اور دیگچوں میں پلاؤ پکتے نظر آ رہے تھے۔ ایک چولہے کے قریب فاتح بن رامزل پنجوں کے بل بیٹھا لکڑیوں کو چولہے کے اندر دھکیل رہا تھا۔

دھواں اٹھا تو اس نے جھک کے پھونک ماری۔ ایک دم شعلہ سا جل اٹھا اور دھواں چھٹتا گیا۔ اس نے آنکھیں مسلیں اور پھر ادھر ادھر دیکھا۔

وہ رسوئی میں اکیلا بیٹھا تھا۔ دوسرے غلام کاموں کے سلسلے میں آ جا رہے تھے۔ وہ ان غلاموں کا نگران بنا دیا گیا تھا اور اس پہ اب روک ٹوک نہیں کی جاتی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ آواز پہ چونکا۔ لکڑیوں کے ساتھ آریانہ آ بیٹھی تھی اور چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے' یاسیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ملیالے کرتے پاجامے میں پنجوں کے بل بیٹھا فاتح ذرا سا مسکرایا۔ ''یہ سوچ رہا ہوں کہ آگے کیا کرنا ہے۔''

''آپ کے پاس تو ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

''اب بھی ہے۔ مگر یہ لوگ....'' گردن موڑ کے اس دروازے کو دیکھا جو اندرونی ہال میں کھلتا تھا۔

''یہ شہر کے غلام، محکوم لوگ..... یہ کیسے اپنے لیے کچھ کریں گے؟'' اس کے انداز میں افسوس تھا۔

''کسی کو تو ان کے لیے لڑنا ہوگا' ڈیڈ! وانگ لی تو وہ ہیرو نہیں نکلا جو آپ اس کو سمجھتے تھے۔ صبح دربار میں اپنی تعریف سن کے وہ خوش تو ہو گیا مگر اس نے تب سے لے کر اب تک آپ سے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ وہ کوئی عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دے گا۔''

''غلط۔ اس کے بارے میں تاریخ میں لکھے

تمام واقعات درست تھے سوائے اس ایک کے۔ وہ جنگی فتوحات' وہ بحری سفر' وہ سفارت کاری' وہ سب کارنامے وہ انجام دے چکا ہے...''

''اس نے جو بھی کیا' ڈیڈ' وہ چین کے لیے کیا۔ اب بھی ملاکہ کو قرض کی غلامی میں ڈال کے وہ اپنے ملک سے حب الوطنی کا ہی ثبوت دے رہا ہے۔ وہ ہیرو ہے مگر چینی قوم کا۔ آپ کو اپنی قوم کا مسیحا خود بننا ہوگا۔''

''صحیح کہہ رہی ہو۔'' اس نے ہاتھ جھاڑے اور سوچتی نظروں سے ہال کے دروازے کو دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''تقدیر صرف ان قوموں کی بدلتی ہے جو اپنی تقدیر بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔''

وہ ہال کے اندر آیا اور ایک غلام سے طشت لے لیا۔ پھر ایک میز تک آیا جو وسط میں تھی۔ اس پہ دو آدمی کھانے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ فاتح نے ان کے سامنے چاول اور ترکاری کے کٹورے رکھے تو وہ جلدی جلدی کھانے پہ ٹوٹ پڑے۔ وہ طشت اٹھائے کھڑا غور سے ان کو دیکھے گیا۔

''آرام سے کھاؤ' اتنی جلدی بھی کیا ہے۔''

''تم میرے آقا کو نہیں جانتے۔ جلد واپس نہ گیا تو وہ میرا برا حال کر دے گا۔'' وہ انگلیوں سے چاول منہ میں رکھتے ہوئے بولا تو فاتح نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''تمہاری مجبوری صرف جسمانی غلامی تھی۔ ذہنی غلام کیوں بن گئے ہو؟'' وہ ذرا اونچا بولا تو قریب میں چند گردنیں مڑیں۔

''ذہنی غلامی؟ وہ کیا ہوتی ہے؟'' غلام کے ہاتھ چاول میں رہ گئے۔ ہونقوں کی طرح چہرہ اٹھا کے اس کو دیکھنے لگا۔

فاتح نے کرسی کھینچی اور اس کے سامنے بیٹھا' پھر بولا تو آواز بلند تھی۔

''کسی انسان سے اتنا ڈرنا یا اس سے اتنی محبت کرنا کہ اپنے ہر کام' ہر فیصلے کو کرنے سے پہلے اس کا متوقع ردعمل سوچنا... یہ غلامی ہے میرے دوست! اور یہ تم سب....'' انگلی سے اطراف میں اشارہ کیا۔ ''کی عادت ہے۔ تم سب ذہنی غلام ہو۔''

''تو کیا کریں؟'' غلام نے خفگی سے چاول پلیٹ میں پھینکے۔ ''آقا کے غلام ہیں۔ حکم نہ مانیں تو ڈر لگتا ہے کہ سزا ملے گی۔''

''مسلمان ہو کیا تم' ہاں؟'' وہ برہمی سے بولا تو سارے میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھنے لگے تھے۔ ''پھر کیوں بھول جاتے ہو کہ مسلمان کسی سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔''

''اللہ سے ہم بھی ڈرتے ہیں' مگر ہمارا مالک....''

''میرے بھائی' صرف اللہ سے ڈرنے کی عادت ڈالو۔ تمہارا مالک کیا' دنیا کا کوئی انسان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر تم اللہ سے مدد مانگو تو۔'' اس نے لہجہ قدرے نرم کیا اور انداز میں جیسے منت سی بھر لی۔ ''جسمانی غلامی تمہاری مجبوری ہے' مگر خدارا ذہن کو تو آزاد رکھو۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آزاد انسان بننا سکھایا تھا۔ ہم کیوں وہ سب بھول گئے ہیں۔''

کسی نے جواب نہیں دیا۔ لوگ کھانا روک کے ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''میں جانتا ہوں تم لوگ پریشان ہو' اکیلے ہو' تمہیں اغوا کر کے یہاں لایا گیا ہے اور غلام بنایا گیا ہے مگر تمہیں اس حالت میں ڈالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی انسان کو اکیلا کرتا ہے۔ سارے رشتے' دوست' مددگار' ایسے حالات بنا دیتا ہے کہ سب چھوڑ جاتے ہیں اور وہ سب سے انسان کو کاٹ کے کسی تنہا جزیرے پہ لے جاتا ہے۔ جانتے ہو کیوں؟''

کوئی جواب نہ آیا۔ بس خالی چہرے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیونکہ محبت کرنے والے جب تک ہمارے اردگرد ہوتے ہیں' ان کی محبتوں کا شور ہمیں اپنے اندر نہیں جھانکنے دیتا۔ کبھی کبھی اس شور کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ زبردستی' جبراً۔ یہ تمہارا اور میرا اللہ ہے جو انسان کو اکیلا کر کے اس کو اس کے اندر جھانکنے کا موقع دیتا ہے۔ تم اپنے

مالک سے کیوں ڈرتے ہو؟ وہ تمہارا خدا نہیں ہے۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا خدا نہیں ہوتا۔ خدا صرف ایک ہے۔'' انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔ نظریں ایک سے دوسرے تک جا رہی تھیں۔

''اس اللہ سے ڈرنا سیکھو۔ اس اللہ کو پہچاننا سیکھو۔ وہی ہماری زندگیوں کے سارے فیصلے ہم سے کرواتا ہے۔ وہی ہمیں خوشی دیتا ہے' وہی غم دیتا ہے۔ وہی ہنساتا ہے' وہی رلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہمارے دل کو آرام نہیں پہنچا سکتا۔''

غلام نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی اور پھر سے کھانا کھانا شروع کیا۔ مگر فاتح نے ہمت نہیں ہاری۔

''ہمارے رسول اللہ ﷺ کسی انسان سے نہیں ڈرتے تھے۔ ہر انسان کو برابری کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ اللہ نے ان کے سارے خوف دور کر دیے تھے۔ یہ مشکل نہیں ہے۔ تم لوگ بھی اپنے خوف دور کر سکتے ہو۔ تم سب اچھے گھروں کے لوگ ہو جو اغوا کر کے جبراً ابوالخیر یا اس جیسے لوگوں کے غلام بنائے گئے ہو۔ اپنے مالکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا سیکھو۔

ملاکہ کے لوگو! اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ نہیں پسند جو مظلوم بن کے ظلم کے سامنے پستے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند ہیں جو بھلے امیر ہوں یا غریب' خوبصورت ہوں یا بدصورت' مگر وہ صرف اللہ سے ڈریں اور درست چیز کے لیے کوشش کرتے رہیں۔ اللہ کو کوشش کرنے والے پسند ہیں۔ کیا تم لوگ اپنے لیے کوشش کرنے والے نہیں بننا چاہتے؟''

غلام اب تیز تیز لقمے لے رہا تھا۔ گردنیں واپس مڑ گئیں۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد پھر سے بھنبھناہٹ شروع ہو گئی۔ سب کی توجہ کھانے کی طرف مبذول ہو گئی۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک میز سے دوسری میز تک امید بھری نظریں دوڑائیں مگر اس کی نگاہ خالی پلیٹ آئی۔ کسی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے تو کسی نے خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھور کے منہ موڑ لیا تھا۔ سب واپس مصروف ہو گئے تھے۔ کچھ لوگ تو مارے خوف کے باہر نکل گئے تھے۔

فاتح نے گہری سانس لی اور اداسی سے ان لوگوں کو دیکھا جو جلدی جلدی کھانا ختم کر رہے تھے۔ مالک کا خوف ہر شے پہ حاوی تھا۔

☆☆☆

'سلطنت محل' لکڑی کا بنا خوب صورت محل تھا جس کے مغربی کونے میں بڑا سا کتب خانہ بنا تھا۔ اس شاہی کتب خانے کے اندر وسیع و عریض ہال سا بنا تھا جس میں قطار در قطار ریک رکھے تھے اور ان کے اندر کتابیں سجی تھیں۔

ایڈم ایک ریک کے سامنے کھڑا کتاب اٹھا کے اسے کھولتا نظر آ رہا تھا۔ دو کتابیں بغل میں دبی تھیں۔

سلطنت محل کا کتب خانہ بنداہارا مراد کے محل سے کہیں زیادہ وسیع اور علمی خزانے سے مالا مال تھا۔ (سلطنت محل وہ محل تھا جس میں سلطان مرسل اور ملکہ یان سوفو رہائش پذیر تھے۔ مراد اور تالیہ کا محل اس سے دور سمندر کنارے اونچے پہاڑ پہ واقع تھا۔)

ایڈم نے کتاب بند کر کے ریک میں رکھی تو چونکا۔ اوپری خانے کے کونے میں قطار میں چار کتابیں رکھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ ایک ہی سیریز کی کتابوں کی چار جلدیں تھیں۔ جلد اول' جلد دوم' جلد سوم' جلد پنجم۔ اس نے چاروں کے سرورق پڑھے۔ جلد چہارم نہیں تھی۔ درمیان کی جگہ بھی خالی تھی۔ جلد چہارم کس نے اٹھائی اور کہاں گئی؟

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پہرے دار اس طرف نہیں تھے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ جلد اول نکالی اور اسے کھولا۔ اندرونی سرورق دیکھ کے وہ ٹھٹکا۔

وہ ملاکہ کے مختلف نامور جزیروں کے نقشوں' جغرافیہ اور وہاں کے سفرنامے کی کتاب تھی۔ بنیادی طور پہ وہ دس برس پہلے جانے والا ایک سفرنامہ لکھا تھا۔ جلد اول کے پہلے صفحے پہ فہرست تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر جلد میں کون کون سے مضامین شامل ہیں۔ وہ انگلی صفحے پہ پھیرتا نیچے آیا۔

جلد چہارم۔ ''تین چاند والے جزیرے کا

دلچسپ احوال۔''

جو جلد غائب تھی' اس میں تین چاند والے جزیرے کا احوال لکھا تھا؟ یا خدا!

ایڈم نے جلدی سے کتاب بند کی اور واپس رکھی۔ اس کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے تھے۔ وہ تیزی سے آگے آیا اور متلاشی نظروں سے ایک کے بعد ایک ریک دیکھنے لگا۔ وہ جامنی رنگ کے سرورق والی کتابیں تھیں' یہ رنگ خاصا نمایاں نظر آتا تھا۔

اور پھر اسے وہ رنگ نظر آ گیا۔

کونے میں رکھی شیشے کے پٹ والی قدیم الماری میں ''جلد چہارم'' رکھی تھی.... ایڈم کے اندر جوش سا بھر گیا۔ فوراً الماری کا دروازہ کھینچا مگر وہ بند رہا۔ اس نے چونک کے دیکھا۔ کنڈے پہ بڑا سا تالا چڑھا تھا۔

''تم کیا کر رہے ہو یہاں؟'' پیچھے سے پہرے دار غراتا ہوا آیا تو وہ چونک کے مڑا۔

''میں.... یہ کتابیں نکالنا چاہ رہا تھا اور....''

''ہر کتاب پڑھنے کے لائق نہیں ہوتی۔'' وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کے سر پہ پہنچ گیا۔ میان میں چمکتی تلوار اور جسم پہ پہنا آہنی لباس.... وہ تیم تحیم سا پہرے دار خاصا خوفناک تھا۔

''مگر میں مؤرخ ہوں اور مجھے....''

''یہ بنداہارا کا محل نہیں ہے' یہ سلطنت محل ہے۔ یہاں تمہاری شہزادی کا حکم نہیں چلتا۔ یہاں سلطنت کے قوانین نافذ ہیں۔ یہ ممنوعہ کتب ہیں۔ شکل گم کرواؤ ورنہ....'' تلوار پہ ہاتھ رکھا تو ایڈم نے جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ بغل میں دبی کتابیں نیچے جا گریں۔

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ ممنوعہ کتابیں ہیں۔ وہ کیا ہے کہ نظر کمزور ہے میری۔'' کہتے ہوئے جھکا اور جلدی جلدی کتابیں سمیٹنے لگا۔ ''اور تھوڑا سا دماغ بھی کمزور ہے۔ بات دیر سے سمجھ میں آتی ہے۔ خیر تم میری شکایت نہ کرنا۔'' کتابیں سنبھالتا ہوا اٹھا اور زبردستی مسکرا کے اسے دیکھا جو ہنوز شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''جا رہا ہوں۔ جا رہا ہوں۔'' معصومیت سے مسکرا کے آگے بڑھ گیا۔ مگر کن اکھیوں سے اس نے الماری کے اندر رکھی دوسری کتابوں کے سرورق پہ نظر ضرور ڈالی تھی۔

پمبورو.... شکار باز.... تین چار کتابوں کی جلدوں پہ یہ لفظ اسے واضح لکھا دکھائی دیا تھا۔

ان کتابوں کو یقیناً مراد راجہ کے حکم پہ عام عوام کی پہنچ سے دور رکھا گیا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟

☆☆☆

شہزادی تاشہ کے کمرے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور سورج کی تازہ کرنیں اندر سارے کو روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی' آئینے میں خود کو دیکھتی' گالوں پہ گلابی سا غازہ ہلکا ہلکا مل رہی تھی جو کھلی ڈبی میں سامنے رکھا تھا۔ پھر اسی کو ہونٹوں پہ لگا کے ہونٹ آپس میں مس کیے۔

لباس زمرد رنگ کا تھا۔ لمبی قمیص اور نیچے لہنگا سا۔ (اسے باجو کرنگ کہتے تھے۔) تاج میز پہ رکھا تھا' اور بال گھونگھریالے کر رکھے تھے۔ سنگھار سے مطمئن ہو کے اس نے چوڑیاں اٹھائی ہی تھیں کہ دروازے کھلے۔ دربان نے صدا لگائی۔

''مراد راجہ تشریف لا رہے ہیں۔''

وہ چوڑیاں اٹھائے تیزی سے کھڑی ہوئی۔ اسی اثناء میں مراد اندر داخل ہوا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے' ماتھے پہ سرخ پٹی' اور اپنی لمبی شاہی قبا پہنے ہوئے تھا۔ سینے پہ لوہے کی زرہ بھی پہن رکھی تھی۔ غالباً شکار پہ جا رہا تھا یا واپس آ رہا تھا۔ آتے ساتھ ہی اسے ابرو کے اشارے سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''راجہ.... آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا۔'' وہ احتیاط سے بولی۔ وہ ایسے کھڑی تھی کہ آئینے کی طرف اس کی کمر تھی۔ اور راجہ کھڑکی میں سورج کی روشنی کے سامنے کھڑا تھا۔ روشنی کا راستہ رک گیا تھا۔

''ملاکہ سلطنت کا بنداہارا شاہی شادی کا نگران ہوتا ہے' تم جانتی ہو۔'' آنکھیں چندھیا کے باہر دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں بولا۔ ''سلطان مرسل کی شادی میں نے ہی کروائی تھی۔''

''جی' راجہ۔ تب آپ اور ملکہ ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔ پمبو روشکار بازوں کا سارا گاؤں تباہ کیا تھا آپ لوگوں نے اور مجھے اس اَن دیکھی چینی شہزادی سے نفرت محسوس ہوتی تھی۔ عجیب بات ہے کہ اب آپ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور میں ملکہ یان سوفو کے ساتھ ہوں۔ شاید اسی کو سیاست کہتے ہیں۔'' وہ چوڑیاں کلائی میں ڈالنے لگی۔ ایک۔ دو۔

''سلطان مرسل تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

تالیہ نے زور سے چوڑی کلائی پہ آگے کو دھکیلی تو وہ جلد کے ساتھ رگڑتی گئی۔ اس کا سانس تھم گیا۔

''بنداہارا کی بیٹی اور ملاکہ سلطنت کے سلطان کا ملاپ ہمارے ملک کا پرانا رواج ہے۔ اکثر سلاطین کی شادیاں بنداہارا کی بیٹیوں سے ہوئی ہیں۔ حیرت ہے مجھے یہ خیال خود کیوں نہیں آیا۔ وقت کا شکریہ جس نے تمہیں بہت جلد ایک مکمل شہزادی کے روپ میں مجھے واپس کردیا۔'' وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ چھوٹی عقابی نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں جو سفید پڑنے لگا تھا۔

''تم واپس جانے کا ہر خیال ذہن سے نکال دو۔ قسمت تم پہ مہربان ہو رہی ہے تاشہ۔ اگر تم سمجھ داری سے کام لو تو ہم اس چینی عورت کو ملاکہ سے نکال دیں گے۔ تم ملکہ ہوگی اور میں بنداہارا۔ مرسل شاہ صرف ایک کٹھ پتلی ہوگا۔ میں اس نئے بندھن پہ بہت خوش ہوں۔ اور تمہیں نصیحت کرنے آیا ہوں کہ تم بھی خوش رہنا۔ کیونکہ.....'' انگلی اٹھا کے تنبیہ کی تو لہجے اور آنکھوں دونوں میں سختی در آئی۔

''میں.....کوئی گڑبڑ.....برداشت نہیں کروں گا۔ اب یہ میری اور میری قوم کی عزت کا سوال ہے۔''

وہ یک ٹک کھڑی اسے دیکھے گئی۔ ہاتھ بے جان سے ہو کے پہلو میں جا گرے تو چوڑیاں کھنک اٹھیں۔ مراد راجہ جو کھڑکی سے آتی روشنی کے ہالے میں کھڑا تھا' ایک بے تاثر نظر اس پہ ڈالتا' باہر کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے گم صم نگاہیں موڑ کے سنگھار میز پہ رکھے سنہری تاج کو دیکھا جس میں جڑے ہیرے دمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

کون کہتا ہے کہ شہزادی ہونا آسان ہے؟

☆☆☆

سلطنت محل کا باغ میلوں دور تک پھیلا دکھائی دیتا تھا۔ درمیان میں سفید روش بنی تھی جس پہ شہزادی تاشہ چلتی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ عقب میں کنیزوں کا مجمع تھا۔ خود وہ پھیکی پھیکی سی لگتی تھی۔ گم صم سی۔ جیسے ہوا میں قدم رکھ رہی ہو۔ سامنے سے ایڈم آرہا تھا۔ کتابیں بغل میں دبا رکھی تھیں۔ اسے دیکھ کے رفتار آہستہ کی اور سر جھکا لیا۔ اس روز کی تلخی ابھی تک یاد تھی۔

تالیہ نے کنیزوں کو اشارہ کیا تو وہ وہیں رک گئیں۔ وہ خود بے جان سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آرکی۔

''تم یہاں کیسے؟''

''آقا نے کہا تھا کہ مجھے شاہی کتب خانے سے فیض اٹھانا چاہیے۔ اس لیے یہاں آیا تھا۔'' ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں۔ ''میرے لائق کوئی خدمت' شہزادی؟''

''میں صرف تمہاری شہزادی نہیں ہوں' ایڈم۔ یہ مت سمجھو کہ مجھ میں تاج اور تخت کا غرور پیدا ہوگیا ہے۔''

''واقعی یہ نہ سمجھوں؟'' اس نے شکایتی نظروں سے شہزادی کو دیکھا۔

''ہاں' طاقت اپنا اثر دکھاتی ہے لیکن میں اور تم ایک برابر ہیں' ایڈم۔ ہم دونوں ہی یہاں قیدی ہیں۔ مجھ پہ بھروسا کرو اور حکم مان لیا کرو۔'' کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی۔ ایڈم کی ساری کلفت اور ناراضی جیسے دور سی ہوگئی۔ فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

''اچھا سنیے۔ اس محل کے کتب خانے میں کچھ کتابیں تالے میں رکھی گئی ہیں۔ مجھے وہ چاہئیں۔ ان میں تین چاند والے جزیرے کا راز چھپا ہے۔''

''میں ملکہ سے ملنے آئی ہوں' مجھے تنگ مت کرو ابھی۔'' وہ کسی قسم کی تلخی کے بغیر تکان سے بولی اور سامنے دیکھتے ہوئے قدم بڑھاتی گئی۔ ایڈم نے

قدرے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''اس سے اچھے تو ہم کے ایل میں تھے' چے تالیہ! وہاں ہم برابر تھے۔ یہاں نہیں۔ بلکہ خیر... برابر تو وہاں بھی نہیں تھے۔ میں ٹھہرا ایک شریف' قانون کی پاس داری کرنے والا آدمی۔ اور آپ ٹھہریں ایک لالچی خاتون جن کی زندگی کے سارے فیصلے خزانے کی کھوج کے گرد گھومتے تھے۔''

وہ ایک دم رکی اور اس کی طرف گھومی۔ ایڈم کی زبان کو بریک لگا۔ ذرا سا گڑبڑایا۔ رعب حسن اور شاہزادیوں والی جاہ۔ اسے ڈر لگا کہ کہیں دوبارہ اس روز کی طرح.....

''بالکل.....واقعی!'' وہ چونک کے بولی۔ ''یہی تو ہوں میں۔ ایک لالچی عورت جس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد خزانے کی کھوج تھا۔ ویری گڈ!'' اور دوبارہ سے چلنے لگی۔ ایڈم کے ابرو حیرت سے سکڑے۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔

''طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟ میرے دائیں ہاتھ کو آج بُری نظر سے نہیں دیکھا آپ نے۔''

''مراد راجہ میری سلطان سے شادی کی تیاری کررہا ہے۔ اس وقت میرا موڈ اچھا نہیں ہے' ایڈم۔''

''اوہ۔'' وہ چپ ہوگیا۔ دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ پھر ایڈم نے اسے امید دلانے کی کوشش کی۔

اگر آپ مجھے وہ کتابیں نکلوا کے دے دیں تو میں یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈتا ہوں۔ میں کسی صورت آپ کو ان رسم و رواج کے اوپر قربان نہیں ہونے دوں گا۔''

ایڈم ذرا جذباتی ہوگیا تو تالیہ نے گردن موڑ کے ایک نظر ایڈم کو دیکھا۔ کرتے پاجامے اور واسکٹ میں ملبوس' سر پہ ٹوپی پہنے' وہ اچھا لگ رہا تھا۔ تالیہ اداسی سے مسکرائی۔

''تمہاری تو خواہش تھی نا مجھے پولیس سے گرفتار کروا کے قید میں ڈلوانے کی۔ تو اس قید پہ خفا کیوں ہوتے ہو؟''

''وہ نیک کام تو میں اپنے ہاتھوں سے سرانجام دوں گا' مگر یہاں کسی صورت بھی میں آپ کو اس سب کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔'' وہ واقعی دبے دبے غصے میں نظر آتا تھا۔

''تھینک یو ایڈم!''

''ظاہر ہے چے تالیہ! مانا کہ آپ انتہائی فراڈ اور بے وفا انسان ہیں' سوائے دولت کے آپ کسی کے ساتھ وفاداری نہیں نبھاتیں' مگر ہم سب یہاں ساتھ ہی آئے تھے اور ساتھ ہی جائیں گے۔''

''ایڈم!'' وہ بُرا مانے بنا چونک کے بولی۔ ''میں بتانا ہی بھول گئی... میں نے اس روز خواب دیکھا کہ.... میں کے ایل میں ہوں۔ ایک آفس میں۔ نئے دور میں۔''

''اس میں کیا بڑی بات ہے؟ میں روز خواب دیکھتا ہوں کہ میں کے ایل میں ہوں اور میری شادی ہورہی ہے۔''

''نہیں ایڈم۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے سرخ یاقوت والی انگوٹھی دکھائی۔ ''یہ انگوٹھی میں نے اس خواب میں پہن رکھی تھی۔ یہ انگوٹھی! اور اس کا مطلب ہے.....وہ خواب آنے والے وقت کا ہے۔ یعنی کہ ہم واپس جائیں گے' ایڈم!'' وہ پہلی دفعہ دل سے مسکرائی۔ ایڈم کے لب بھی خوشگوار مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''ہم؟ کیا اس خواب میں' میں بھی تھا؟ اور وان فاتح بھی؟''

تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''کتابیں... تمہیں مقفل الماری کی کتابیں چاہئیں، ہیں نا' میں کچھ کرتی ہوں' اچھا۔'' اور مڑ کے کنیزوں کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً سے اس طرف لپکیں۔ تالیہ اس سے نظر ملائے بغیر آگے بڑھ گئی۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

''کیا ہم اس خواب میں نہیں تھے' چے تالیہ؟

"کیا ہم واپس نہیں جائیں گے؟" اس نے زیر لب کہا مگر وہ ان سنی کر کے آگے بڑھ گئی۔ وہ بالکل گم صم سا ہو گیا۔

ملکہ یان سوفو سبزہ زار پہ بنی اس اونچی بارہ دری میں بیٹھی تھی۔ اس کے اوپر چھتری نما کنیوپی بنی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، وہ گال تلے انگلی رکھے بیٹھی، گردن موڑ کے سبزے کو دیکھ رہی تھی۔ نیچے سبز ٹیلوں پہ گھاس اور پھول اگے دکھائی دے رہے تھے۔ درمیان میں ایک مصنوعی صاف پانی کا نالہ بھی بہہ رہا تھا۔

دفعتاً اس نالے کے ساتھ گھاس پہ شہزادی تاشہ چلتی دکھائی دی۔ اس کی رنگت قدرے بجھی بجھی سی لگتی تھی۔ کنیزوں کو اس نے وہیں چھوڑ دیا اور خود کینوپی کی طرف آئی۔ لکڑی کے زینے چڑھے اور اوپر ملکہ کے سامنے آکے سر جھکایا۔

"ملکہ عالیہ! آپ نے یاد فرمایا تھا۔" پھر سیدھی ہوئی۔

"شہزادی تاشہ!" یان سوفو نے سر کو خم دیا اور مسکرا کے ابرو سے سامنے اشارہ کیا۔ "بیٹھیے۔"

تالیہ سامنے لکڑی کے بینچ پہ بیٹھ گئی۔ زمردی لباس اردگرد پھول کی طرح پھیلتا گیا۔ گود میں رکھی انگلیاں باہم پھنسا رکھی تھیں۔

"تجویز کیسی لگی؟"

"کون سی تجویز؟" وہ چونکی۔

"قرضے کی۔ اتنی جلدی بھول گئیں آپ؟" ملکہ نے مسکرا کے غور سے اسے دیکھا تو اس کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"سچ کہوں تو پریشان ہوں کہ ملاکہ یہ قرضہ کیسے اتار پائے گا۔" وہ فکرمندی سے کہنے لگی۔ "قرضہ ہر سال بڑھتا جائے گا۔ جب تک امیر لوگ خراج اور محصول نہیں ادا کریں گے، ہم اس قرض کو اتار نہیں سکیں گے اور..."

"سلطان کی بیوی بننے کے بارے میں آپ نے مجھے کب بتانا تھا، شہزادی صاحبہ؟" وہ مسکراتے ہوئے ایک دم سے بولی تو تالیہ کے الفاظ ٹوٹ گئے۔

لمحے بھر کو وہ چپ ہوئی۔

"مجھے خود مراد راجہ نے ابھی یہاں آتے وقت اطلاع دی ہے، ملکہ۔ میں بھی اتنی ہی پریشان ہوں جتنی کہ آپ۔"

"کس نے کہا کہ میں پریشان ہوں۔" مسکراتے ہوئے یان سوفو نے سر جھٹکا۔ "آقا نے جلد یا بدیر کسی خاتون کو اپنے نکاح میں لینا ہی تھا۔ یہ تو ازل سے طے تھا۔"

تالیہ نے سر جھکا لیا اور گھونگھریالی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔ "میں جلد از جلد یہاں سے جانے کی کوشش کرتی ہوں، تاکہ....."

"اور اگر نہ جاسکیں، تو؟ سلطان کو کیسے روک پاؤ گی؟" ملکہ کہنی کرسی کے ہتھے پہ جمائے، انگلی گال تلے رکھے دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تالیہ نے شکوہ کناں نظر اٹھائی۔

"کوئی حل نکال ہی لوں گی۔ تال (رک کے تصحیح کی) تاشہ کے پاس ہمیشہ منصوبہ ہوتا ہے۔"

"وہ آدمی کہاں ہے؟ وہ جو اپنے شہر میں تمہارا محبوب تھا؟"

جھرنے کے اندر جیسے کسی نے زور سے پتھر پھینکا تھا۔ سوال بے حد غیر متوقع تھا۔ اس کی دھڑکن بے ترتیب سی ہوئی۔ "وہ.....!"

"اسی شہر میں ہے کیا؟ اکٹھے آئے تھے تم دونوں یا تمہارے پیچھے آیا ہے؟ وانگ لی کا کہنا ہے کہ اس کے ایک غلام سے ملنے تم اور تمہارا مورخ اس کے قہوہ خانے میں گئے تھے۔ ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔ کیا وہی ہے وہ شخص؟"

"آپ تو بہت کچھ جانتی ہیں، ملکہ۔" آواز دھیمی رکھی۔

"بہت خوب۔" ملکہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور باوقار انداز میں اپنی قبا کو جھٹکا۔ "مجھے ملوا سکتی ہو اس سے آج ہی؟"

تالیہ مراد کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔

"جی؟" وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

☆☆☆

سن باؤ تائی ژان کی سرخ حویلی پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ مغرب ڈھل چکی تھی اور کھلے صحن سے آسمان پہ دمکتے تارے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ برآمدے میں قندیلیں جلی تھیں اور آرام کرسی پہ بیٹھا فربہ سا وانگ لی، ٹانگوں پہ کمبل ڈالے کتاب پڑھنے میں مشغول تھا۔

سامنے صحن چاند کی روشنی میں نہایا ہوا تھا اور کنویں پہ جھکا فاتح دکھائی دے رہا تھا۔ کرتے پاجامے میں ملبوس، ماتھے پہ سبز پٹی باندھے، وہ جھک کے ڈول اوپر کھینچ رہا تھا جب دروازہ بجا۔

وانگ لی نے کتاب بند کر کے اچنبھے سے دروازے کو دیکھا۔ "اس وقت کون آگیا؟"

"میں دیکھتا ہوں، مالک۔" فاتح نے ڈول اوپر نکالا اور زمین پہ رکھا تو پانی چھلک کے اس کے پیروں پہ گرا۔ ہاتھ بھی گیلے ہو گئے۔ وہ کرتے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے برآمدے میں آیا اور راہداری میں چلتا گیا۔ سن باؤ کی حویلی کا دروازہ کمروں کے اس طرف سے کھلتا تھا، نہ کہ صحن سے۔

فاتح نے سرخ لکڑی کا دروازہ کھولا تو دیکھا۔ سامنے کچی زمین پہ ایک بگھی کھڑی تھی جس کے ساتھ صرف تین سپاہی تھے مگر وہ شاہی سپاہی تھے۔ وہ چونکا۔

دفعتاً بگھی کا دروازہ کھلا اور نسوانی پیر نیچے زمین پہ اترا۔ پھر وہ پوری باہر نکلی۔ بھورے چغے میں ملبوس، زیور اور سنگھار سے پاک چہرہ لیے وہ سیدھی سامنے کھڑی ہوئی تو فاتح کا سر ذرا جھک گیا۔

"ملکہ عالیہ!"

مگر ملکہ اکیلی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد سن باؤ کے برآمدے میں جلتی قندیلوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ دیوار کے ساتھ جہاں قالین بچھا تھا اور تکیے لگے تھے، وہاں فرشی میز کے گرد ایک طرف یان سوفو اور تالیہ بیٹھی تھی، دوسری طرف وانگ لی مؤدب سا بیٹھا تھا۔ کونے میں کھڑا فاتح دیوار پہ لگی مشعل جلا رہا تھا۔

"میرے غریب خانے کو آپ نے رونق بخشی، ملکہ۔"

"سنا ہے اپنے قہوہ خانے میں ملاکہ کے روسا سے بڑی جرأت مندانہ باتیں کہنے لگ گئے ہو، وانگ لی!" چغے کی ٹوپی کے ہالے میں ملکہ کا چہرہ دمک رہا تھا۔ تالیہ جو کن انکھیوں سے مشعل جلاتے غلام کو دیکھ رہی تھی، فوراً چونکی۔

"وہ وانگ لی کے الفاظ نہیں تھے۔ وہ ان کے غلام کے الفاظ تھے۔ غلام کو مراد راجہ کے عتاب سے بچانے کے لیے میں نے کتاب میں تبدیلی کروائی تھی۔"

وانگ لی جو شکریہ کہنے ہی والا تھا، قدرے کھسیانا ہو گیا۔

ملکہ نے نظروں کا رخ موڑا۔ وہ مشعل جلا کے اب سنجیدگی سے رسوئی کی طرف جا رہا تھا۔

"میں تمہارے اس غلام سے ملنے آئی ہوں، وانگ لی۔"

وان فاتح کے قدم زنجیر ہوئے۔ چونک کے مڑا۔

"تم میرے سامنے بیٹھو اور وانگ لی... تم میرے لیے چینی قہوہ تیار کرو گے۔ ملاکہ کے کڑوے قہوے پی پی کے اللہ کی قسم میرا گلا اندر تک چھل گیا ہے۔" نخوت سے بولی تو وانگ لی نے جھٹ سر جھکایا۔

"جو حکم، ملکہ!"

وہ شاہ چین کا وفادار غلام تھا۔ فوراً اٹھ گیا۔

فاتح سامنے آکے خاموشی سے بیٹھا تو ملکہ یان سوفو ذرا سا مسکرائی۔ (تالیہ مضطرب سی باری باری دونوں کو دیکھتی تھی۔)

"مجھے یہاں دیکھ کے حیران ہو رہے ہو، وانگ لی کے غلام!"

میز کے دوسری طرف زمین پہ وہ دو زانو بیٹھا تھا۔ ہاتھ گود میں اور چہرہ سپاٹ تھا۔ نگاہ نہیں جھکائی۔ ملکہ کو دیکھتے ہوئے سادگی سے بولا۔ "میرا نام، وانگ

لی کا غلام نہیں ہے۔ وہ میرا مقام ہے۔ نام فاتح بن رامزل ہے۔ ہر انسان کا حق ہوتا ہے کہ اسے اس کے نام سے پکارا جائے۔"

"مگر میری نظر میں تو تم صرف ایک غلام ہو!"

"پھر آپ کو اپنی نظریہ نظرثانی کرنے کی ضرورت ہے ملکہ! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو عزت بخشی ہے۔ ہر انسان مکرم ہوتا ہے اور اس کی عزت کرنے کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ آدم کی اولاد ہے۔"

"تو اے غلام فاتح بن رامزل...." وہ کہنیاں چھوٹی میز پہ رکھے آگے ہوئی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "اس بات سے واقف تو ہو گے کہ" تمہاری" شہزادی تاشہ کی شادی سلطان مرسل سے کی جا رہی ہے۔"

تالیہ نے نظریں جھکا لیں۔ صورتِ حال عجیب سی ہو گئی تھی۔

"جی ملکہ! واقف ہوں۔" اس نے تالیہ کو دیکھے بغیر جواب دیا۔

"تو تاشہ کو اس مصیبت سے نکالنے کے لیے کیا کیا ہے تم نے؟ میری اطلاع کے مطابق تم تاشہ کے گاؤں سے ہو اور اس کے ساتھ آئے ہو۔"

فاتح نے اب کے تالیہ کو دیکھا۔ اس نے بھی نظریں اٹھائیں۔ وہ جیسے سمجھنا چاہ رہا تھا کہ ملکہ کیا جانتی ہے اور کیا نہیں۔

"میں اس بات کی نوبت ہی نہیں آنے دوں گا۔ میں شہزادی کو جلد واپس لے جاؤں گا۔ واپس لے جانے کا وعدہ میں نے عرصے سے ان سے لے رکھا ہے۔"

"اور اگر...." ملکہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آگے کو جھکی۔ "اگر تم کبھی واپس نہ جا سکے تو اس شادی کو کیسے روکو گے۔"

"ہم واپس جائیں گے اور ضرور جائیں گے۔"

"اور اگر نہ جا سکو غلام فاتح؟ بولو۔ جواب دو۔" وہ ایک دم پھنکاری۔ وہ خاموش ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کے نظریں ملکہ پہ جمائے رکھیں۔

"شہزادی تاشہ اپنے بابا کو انکار کر دیں گی اور اس کام کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"شہزادیوں کا انکار کوئی نہیں سنتا غلام فاتح۔" وہ تلخی سے بولی۔ نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔ "بنداہارا اس رشتے سے خوش ہے۔ وہ جبراً یہ شادی کروا دے گا اور سلطان مرسل.... وہ انکار کی صورت میں بنداہارا کے محل پہ چڑھائی کرا دے گا۔ عورت کے نام پہ پہلے بھی بہت سی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ایک اور سہی۔"

"ملکہ... اگر آپ خود یہاں آئی ہیں تو یقیناً اس مسئلے کا کوئی حل بھی سوچ کے آئی ہوں گی۔"

ملکہ نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہو کے مسکرائی۔ "جانتے ہو ملاکہ کے سلطان سے شادی کرنے والی عورتوں میں کون سی قدر مشترک ہونی چاہیے؟ چاہے وہ امیر ہوں یا غریب بدصورت ہوں یا حسین شاہ چین کی بیٹی ہو یا ایک جنگلی قیدی کنیز۔ ان سب کا ایک شرط پہ اترنا لازم ہے!"

تالیہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

"اور وہ کیا ہے ملکہ؟" وہ سمجھ رہا تھا۔

"سلطان کی دلہن غیر شادی شدہ ہونی چاہیے۔ نہ وہ پہلے کسی کی کنیز رہی ہو نہ بیوی۔"

لمحے بھر کو سرخ حویلی میں سناٹا چھا گیا پھر صحن میں اُگے بوڑھے درخت کے پتے ہوا سے جھنجھنائے اور قندیلوں کے شعلے پھڑپھڑائے۔ عجیب پراسرار سا ماحول بن گیا تھا۔

فاتح ملکہ کی آنکھوں میں دیکھتا آگے کو جھکا اور ہاتھ باہم پھنسا کے میز پہ رکھے۔

"تو آپ چاہتی ہیں کہ میں شہزادی تاشہ سے شادی کر لوں؟"

الفاظ تھے یا کیا.... تالیہ کا سانس تھم گیا۔ ناخن ہتھیلی میں پیوست کر لیے۔

ملکہ بھی اسی کے انداز میں آگے کو جھکی۔ وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا سلطان مرسل سے تاشہ کو بچانے کے لیے تم اس سے شادی کرو گے؟"

"ملکہ عالیہ!" وہ ذرا سا مسکرایا۔ "میں اس شہر میں ایک غلام ہوں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ مگر اپنے شہر میں..... میں حاکموں میں سے ایک تھا۔ اور میرے جیسے لوگ بدلے میں کچھ مانگے بغیر فیصلے نہیں کیا کرتے۔"

تالیہ کی ہتھیلی ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ بس ساکت سی اسے دیکھے گئی۔ نہ وہ حیران ہوا تھا نہ چونکا تھا۔ وہ شاید تیار تھا۔ کیا اس کو معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے؟

ملکہ کو البتہ اچنبھا سا ہوا۔ اسے اس ردِعمل کی توقع نہ تھی۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں تم تاشہ بنتِ مراد سے شادی کرو گے؟"

"اور میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ مجھے بدلے میں کیا ملے گا؟"

"میرے سوال کا جواب دو غلام۔ تم تاشہ سے نکاح کر کے قاضیٔ وقت کو گواہ بنا کر مراد اور سلطان کے سامنے جا کے یہ کہہ سکو گے کہ تم تاشہ کے شوہر ہو؟"

"ایک بحری جہاز چند سپاہی اور وانگ لی کی غلامی سے آزادی۔ کیا یہ دیں گی آپ مجھے؟" وہ ابھی تک سرد سا مسکرا رہا تھا۔ ملکہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔

"میں غلاموں سے بھاؤ تاؤ نہیں کرتی!"

"بہت سی چیزیں پہلی دفعہ کرنی پڑتی ہیں ملکہ عالیہ! آپ کے اوپر سلطان صرف ایک سوکن نہیں لا رہا۔ وہ ملاکہ کی نئی ملکہ لا رہا ہے۔ ایک بحری جہاز چند سپاہی اور وانگ لی کی غلامی سے آزادی دلوا دیں مجھے۔ میں تاشہ سے شادی کر کے آپ کے تخت و تاج کو بٹوارے سے بچا لوں گا۔ میرے علاوہ آپ کو ملاکہ میں کوئی مرد ایسا نہیں ملے گا جو سلطان سے منسوب لڑکی سے شادی کرنے کی جرأت کر سکے۔"

ملکہ لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔ "کیا راجہ مراد کے سامنے اس کی بیٹی کو بیوی کہنے کی ہمت رکھتے ہو؟ کیا سلطان کو یہ بتا سکتے ہو کہ اس سے منسوب شہزادی شادی شدہ ہے؟"

وہ جواباً مزید آگے جھکا۔

"فاتح بن رامزل.... ایک آزاد انسان ہے.... اور وہ.... کسی سے.... نہیں ڈرتا!" چبا چبا کے بولا۔

وہ سب کچھ خاموشی سے سنے جا رہی تھی۔ صحن میں اُگے درخت کی ہلتی شاخیں اور برآمدے کی قندیلوں کے پھڑپھڑاتے شعلے... اور وہ باتیں.. اسے ہر چیز وحشت میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اس سے زیادہ خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔

"ملکہ!" وہ بولنے لگی... مگر ملکہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کروا دیا۔

"تم نے مجھ سے وفاداری کی قسم کھائی تھی تاشہ! اس لیے خاموش رہو۔ ویسے بھی تمہیں اس آدمی سے شادی کرنی تھی نا تم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو... تو وہ شادی میں کروائے دیتی ہوں۔ میں صبح اعلا عدالت کے ایک چینی قاضی کو بلوائی ہوں۔ ان کے سامنے تم اس غلام سے شادی کرو گی اور پھر یہ آزاد انسان بن جائے گا۔ اگر تم مجھ سے وفادار ہو اور واقعی ملکہ نہیں بننا چاہتیں تو تمہارے پاس دوسرا راستہ نہیں ہے۔" ملکہ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔ وہ اس وقت متضاد کیفیات کے زیرِ اثر تھی۔

تالیہ کا حلق خشک ہو گیا۔ صحن کی تاریکی اور اوپر چمکتے تارے... ان سب کا سناٹا اس کے اندر اترنے لگا۔ وہ بار بار لب کھولتی مگر الفاظ جیسے ختم ہو گئے تھے۔ پھر اس نے سر جھکا دیا۔

"مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں ملکہ! آپ ہماری واپسی جانے میں مدد کریں گی۔ جواب میں، میں اور فاتح (اس کی طرف دیکھا بھی نہیں) وہی کریں گے جو آپ کہیں گی۔"

یان سوفو کا چہرہ ایک دم شانت ہو گیا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

”وانگ لی صبح قاضی کو لے آئے گا‘ اور اس کے سامنے یہ نکاح ہوگا۔“

”صبح!“ فاتح نے اچنبھے سے ابرو اٹھائے۔ ”اتنی جلدی کیا ہے‘ ملکہ؟ ابھی تو شادی میں کئی دن پڑے ہیں۔“

”سنو فاتح بن رامزل!“ وہ تیز لہجے میں پھنکاری۔ ”میں شاہ چین کی بیٹی ہوں۔ قیافہ شناسی کے علوم سے آراستہ کر کے بھیجا تھا مجھے میرے بابا نے۔ چہرہ دیکھ کے سارا ماضی پڑھ لیتی ہوں اور بعض دفعہ مستقبل بھی۔“

”میرے چہرے پہ کیا نظر آتا ہے آپ کو‘ ملکہ؟“

یان سوفو استہزائیہ سا مسکرائی اور آگے کو جھکی۔

”سچے ہو اور ایماندار بھی۔ نڈر ہو اور بہادر بھی۔ مگر....“ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ چبا چبا کے بولی۔ ”خود غرض ہو.... مفاد پرست اور سب سے بڑھ کے.... بے وفا مرد ہو تم۔ صرف خود سے محبت کرتے ہو اور طاقت کی خواہش رکھتے ہو۔ شہزادی کو تم سے سچی محبت ہے (تالیہ کی نظریں فوراً جھکیں) مگر تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔ اس لیے تمہارا اعتبار نہیں ہے مجھے۔ صبح سے زیادہ انتظار نہیں کرسکتی میں۔“

وہ چغہ سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ دونوں بھی ساتھ ہی اٹھے۔ وہ اس کے الفاظ پہ ہلکا سا ہنس دیا۔

”آپ مجھے نہیں جانتیں‘ ملکہ۔ آپ نے میری زندگی نہیں گزاری۔“

ملکہ اس کو نظر انداز کیے تالیہ کی طرف گھومی جو بددل سی نظر آ رہی تھی۔

”تمہارا انتخاب اتنا متاثر کن نہیں ہے‘ تاشہ۔ عام حالات میں‘ میں تمہیں کبھی ایسے آدمی سے شادی کا مشورہ نہ دیتی جو صرف خود سے محبت کرتا ہو اور جسے وعدے نبھانے نہ آتے ہوں۔ یاد رکھنا‘ یہ آدمی کبھی وعدے پورے نہیں کرسکتا۔ مگر خیر....“ اس نے شانے جھٹکے۔ ”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ شہزادیوں کی شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں۔“

وہ کہہ کے آگے بڑھی تو تالیہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔ ”کیا آقا کو پسند آ جانے والی ہر لڑکی کی شادی کروا دیں گی آپ؟ کس کس کو آقا کے نکاح میں آنے سے روک پائیں گی آپ۔“

یان سوفو سکون سے اس کی طرف پلٹی اور گہری سانس لی۔ ”کیا تم بھول گئی ہو کہ میں وہ ملکہ ہوں جس نے تمہارا گاؤں الور سونگائی جلا کے راکھ کر دیا تھا۔ سارے شکار بازوں کو قید کروا لیا تھا۔ تمہیں اپنا وفادار سمجھتی ہوں اس لیے تمہارا نکاح کروا رہی ہوں۔ دوسری کوئی ہوتی تو اس کی گردن اتروا کے چوک میں لٹکا دیتی۔“

اور ایک نگاہ غلط ان دونوں پہ ڈال کے آگے بڑھ گئی۔

”قہوہ کل پیوں گی میں وانگ لی‘ ابھی میرے ساتھ باہر آؤ۔ مجھے بات کرنی ہے تم سے۔“ بلند آواز سے رسوئی میں موجود وانگ لی کو کہا اور باہر نکل گئی۔ وہ بھی سب کام چھوڑ کے اس کے پیچھے لپکا۔

وہ دونوں چلے گئے تو سرخ حویلی کے سناٹے بڑھ گئے۔ وہ شکوہ کناں سی اس کی طرف گھومی۔

”اچھا بھاؤ تاؤ کر لیتے ہیں آپ۔“ اس کے کان سرخ دہک رہے تھے اور گلا رندھنے لگا تھا۔

”یہ تمہیں ملکہ کے سامنے اپنے اور میرے بارے میں کہانیاں گھڑنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔“ وہ تیزی سے بولا‘ پھر گہری سانس لی۔ ”مگر خیر.... یہ کہانی سچ بتانے سے بہتر تھی۔ سچ پہ وہ یقین نہ کرتی۔ شہزادی کے لیے بننے والے غلام پہ کرلیتی۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

تالیہ کے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ بدقت اس نے حواس پہ قابو پایا۔ ”ظاہر ہے.... میں کہانیاں گھڑنے میں ہی تو اچھی ہوں۔ یہ تو نہیں بتا سکتی تھی کہ خزانے کی تلاش میں ہم چھ سو سال پیچھے آئے ہیں۔ اس لیے یہی کہہ دیا کہ آپ اور میں....“ سر جھٹکا۔ ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

”تم نے ٹھیک کیا۔ تم یہی کرسکتی تھیں۔“

”ملکہ کے سامنے راضی ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ایسا چاہتی ہوں۔“ وہ تیزی سے بولی۔ ”ہم صبح ہونے سے پہلے یہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔ الور سونگائی چلے جائیں گے یا کہیں اور لیکن...“

”تالیہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہمیں مراد راجہ سے وہ چابی حاصل کرنی ہے اور اس کے لیے ہمیں مراد کو اپنی بات ماننے پہ مجبور کرنا ہے۔ ہمیں وہی کرنا ہوگا جو ملکہ کہہ رہی ہے۔ اور سنو.... مجھ پہ بھروسہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ تم دونوں کو نکال کے لے جاؤں گا یہاں سے تو مجھے اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے جو بھی کرنا پڑے گا، میں کروں گا۔ ملکہ میرے وعدوں سے واقف نہیں ہے۔“

”آپ شادی شدہ ہیں‘ توانکو۔ آپ کے دو بچے ہیں۔ بیوی ہے۔ آپ اس دنیا میں غلام نہیں ہیں۔ آپ ملک کے اگلے وزیر اعظم ہیں۔ میں آپ سے کیسے شادی کرسکتی ہوں؟“

”شادی نہیں کرنی‘ لڑکی۔ صرف ایک کاغذ پہ دستخط کرنے ہیں جو ہمیں آزادی دلوا سکتا ہے۔ کس طرح.. یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ابھی تم ملکہ کی بات مان لو تو میں واپس جاتے ہی تمہیں آزاد کردوں گا۔ کسی کو علم بھی نہیں ہوگا۔“

تالیہ کا دل ایک دم خالی ہو گیا۔ سارے خدشات‘ واہمے‘ خوف سب دم توڑ گئے۔ وہ بس اس کو تعجب اور ملال سے دیکھے گئی۔

”تو یہ کوئی اصلی شادی نہیں ہو گی۔ صرف.... صرف ایک پیپر میرج ہوگی۔ جو واپس جاتے ہی ختم ہو جائے گی۔“

”بالکل۔ کیونکہ یہ اسی طرح ہونا ہے۔“ وہ اب دھیمے لہجے میں اس کو سمجھا رہا تھا۔ ”ہمیں ملکہ یا سلطان کا نہیں سوچنا۔ ہمیں صرف اپنا سوچنا ہے۔ ہمیں وہ کرنا ہے جو اس.... اس وقت کی قید سے نکلنے میں ہماری مدد کرے۔“

”اور اس شادی سے ملکہ کے راستے سے میں ہٹ جاؤں گی لیکن ”ہمیں“ کون سا فائدہ ہوگا؟ مراد راجہ آپ کی جان لے لے گا‘ توانکو۔“

”میں نے کہا نا‘ میرے پاس پلان ہے۔ بھروسہ رکھو۔ یہ اسی طرح ہونا تھا۔“

”تو آپ نے تاریخ کی کتابوں میں یہ پڑھ رکھا تھا۔“ اس کی سمجھ میں اب آیا تھا۔ ”اور پڑھا تو میں نے بھی تھا۔ شہزادی تاشہ کی شادی ایک غلام سے ہوئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کیوں‘ مگر آپ جانتے ہیں۔ آپ صرف مجھے ایک سیاسی چال کے طور پہ استعمال کر رہے ہیں۔ ہے نا؟“

اس کے اعصاب دھیرے دھیرے ڈھیلے پڑنے لگے۔ قسمت کے آگے بے بس.... ان الفاظ کا مطلب آج سمجھ میں آیا تھا۔

”مجھے یہی کرنا آتا ہے تالیہ‘ اور جو ہمیں آتا ہے وہ ہی ہماری جان بچائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں ملکہ کی بات مان لیتی ہوں۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے مگر...“ وہ ایک دم سپاٹ سی ہو چلی۔ ”ایک لمحے کے لیے بھی یہ مت سوچیے گا کہ ملکہ کو بتائی گئی اس کہانی میں کوئی صداقت تھی۔ (تھوک نگلا)۔ میں چاہوں گی کہ جیسے ہی یہ مسئلہ ختم ہو‘ آپ مجھے فوراً آزاد کر دیں اور عصرہ اور آپ کے بچوں کو کبھی علم نہ ہو کہ ایسا کچھ ہوا تھا۔“

”میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے شادی کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے‘ اور....“

”مجھے آپ سے کیا‘ کسی سے شادی کرنے میں دلچسپی نہیں ہے۔ ایک تجربہ بہت تھا۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کو اپنی تکمیل کے لیے کسی مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے زندگی گزارنے کے لیے کسی جنگجو کا ساتھ نہیں چاہیے۔ میرے لیے میری اپنی تلوار ہی کافی ہے۔“ آخر میں اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ خود بخود ختم ہو گئی۔ عجیب غصہ سا آنے لگا تھا۔

وان فاتح نے کندھے اچکا دیے۔ ”ظاہر ہے۔

میں یہ سب سمجھتا ہوں۔"

"بہت بہتر!" وہ آگے بڑھی' پھر رکی۔ گردن موڑ کے چاندنی میں نہائے صحن کو دیکھا۔ نگاہ ٹھہری تو ٹھہر ہی گئی۔

وہی صحن۔ وہی کنواں۔ اور دوسرے کونے میں خالی جگہ۔ وہ خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ صحن میں قدم رکھا۔ ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے گر گئی اور سنہری بال نظر آنے لگے۔

وانگ لی واپس آیا تو کھنکھار کے اسے مخاطب کیا۔

"ملکہ رخصت ہو گئیں۔ آپ کے لیے دوسری بگھی روک رکھی ہے۔ کیا آپ قہوہ لیں گی؟"

"نہیں شکریہ۔" اس کی بے خود نگاہیں اس صحن پہ جمی تھیں۔ عجیب سی پراسراریت تھی اس میں۔ جیسے سرخ اینٹوں تلے صدیوں پرانی داستانیں دفن ہوں۔

"سن باؤ۔" وہ اسی کیفیت میں بولی۔ "یہ کونا خالی کیوں ہے۔۔۔؟ آپ نے یہاں کچھ نہیں بنوایا۔"

"میں نے اس کو مجسمہ سازی کے لیے چھوڑ رکھا تھا' شہزادی۔" وہ ہاتھ باندھے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"مجسمہ کے لیے؟" وہ چونک کے اس کی طرف مڑی۔ "آپ اپنا مجسمہ بنوانا چاہتے ہیں۔"

"ایک زمانے میں بڑی خواہش تھی میری' شہزادی۔ مگر پھر وقت نہیں مل سکا۔ کیا آپ کو بھی مجسمہ سازی سے شغف ہے۔"

"جی.... میں.... تصاویر اور مجسمے بنا لیتی ہوں۔ تھوڑا بہت یہ کام آتا ہے مجھے۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔

"کیا آپ...." وہ جوش سے کہنے لگا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں' سن باؤ۔ میں مجسمہ بنا سکتی ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کا مجسمہ بنانا چاہتی ہوں۔ میں تو یوں ہی ایک سوال پوچھ رہی تھی۔"

پھر فاتح کو دیکھا جو اس کے صاف انکار پہ ابرو اٹھا کے زیرِ لب بولا تھا۔ (سیریسلی؟)

"اتنے حیران مت ہو' غلام فاتح!" وہ چبا چبا کے بولی۔ "مجھے وانگ لی کا مجسمہ تراشنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شاید تمہیں لگا ہو کہ شہزادی تاشہ وانگ لی کا مجسمہ بنائے گی۔ یقین کرو' تمہیں غلط لگا ہے۔ کیونکہ میں.... کوئی مجسمہ بنانے.... یہاں نہیں آنا چاہتی۔" پھر وانگ کو دیکھا اور مسکرائی۔ "شب بخیر' سن باؤ۔ صبح ملاقات ہو گی۔"

اور سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

ایڈم بن محمد جس وقت شہزادی تاشہ کے کمرے سے ملحق بیٹھک میں داخل ہوا، وہ سن باؤ کے گھر سے رخصت ہونے والی پرسکون اور سپاٹ تالیہ نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اڑی رنگت اور پریشان چہرے والی لڑکی لگ رہی تھی جو ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

"ایڈم!" اسے دیکھتے ہی تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ ایڈم نے لاشعوری طور پہ اپنا دایاں ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"دیکھیں شہزادی' آپ کے جو بھی ارادے ہیں' میں بتائے دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کو اس کے ہاتھ سے محروم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور...."

"ملکہ چاہتی ہیں میں وان فاتح سے شادی کر لوں۔"

محل کے باہر ایک دم تیز ہوا چلی۔ کھڑکی میں رکھے چراغ کا شعلہ پھڑپھڑایا۔

ایڈم بالکل ساکت رہ گیا۔ ہاتھ ڈھیلا سا ہو کے پہلو میں آن گرا۔

"کیا مطلب؟" الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

"مطلب میں ہی تو الجھی ہوں۔ اگر وان فاتح سے شادی نہ کی تو سلطان مرسل سے کرنی پڑے گی۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ اس سے پہلے مراد راجہ ہمیں چابی دے دے۔ اس لیے ملکہ نے...." وہ پھر سے دائیں بائیں ٹہلنے لگی اور سارا قصہ سنا ڈالا۔ آخر تک ایڈم سنبھل چکا تھا اور چہرے کے زاویے بگڑ چکے تھے۔

"بہت خوب۔ اور آپ کے خیال میں جب سلطان کو یہ معلوم ہو گا کہ آپ شادی شدہ ہیں تو وہ مسکرا کے کہیں گے... بہت معذرت' محترمہ' میں نے ایسے ہی آپ کو زحمت دی۔ آپ پیا دیس سدھاریے' میں اپنے گھر کا راستہ ناپتا ہوں۔ جی نہیں' بے تالیہ۔" وہ غصے سے بولا تھا۔ پتا نہیں اسے غصہ کس بات پہ زیادہ آ رہا تھا۔ "اس شادی پہ ایسی قیامت کھڑی ہو گی کہ الامان۔ راجہ مراد آپ کی اور فاتح صاحب دونوں کی جان لے لے گا۔"

"فاتح کا کہنا ہے کہ ان کے پاس پلان ہے۔ وہ راجہ کو قابو کر سکتے ہیں۔"

ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ پھر مٹھیاں بھینچ لیں۔ "ان کے وعدے سیاسی وعدے نکلے تو؟"

"وہ چاہتے ہیں میں ان پہ بھروسا کروں۔"

"اور آپ خود کیا چاہتی ہیں؟"

"میں...." وہ چونکی' پھر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا اور مسہری پہ بیٹھ گئی۔ "میں رضامندی دے چکی ہوں' اب میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق پڑتا ہے' بے تالیہ۔" وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کے بیٹھا اور امید سے بولا۔ "اگر آپ ایسا نہیں چاہتیں تو مجھے بتائیں۔ ہم کوئی اور حل نکال لیں گے۔ یہ ملکہ تو بالکل اولڈ فیشن ہے۔ اس کے زمانے میں سوائے ممکنہ سوکن کو زہر دینے' الٹا ٹانگنے یا اس کو کسی اور کے ساتھ بھگا دینے کے کوئی حل نہیں ہوتا تھا۔ مگر ہم اسمارٹ زمانے کے اسمارٹ لوگ ہیں۔ بھلے آپ نے ملکہ کو جو بھی کہانی گھڑ کے سنائی ہو' اگر آپ....."

"وہ کہانی نہیں تھی' ایڈم!" اس نے تڑپ کے سر اٹھایا تو بکھرے بکھرے سنہرے بالوں کے ہالے میں زرد پڑتا چہرہ بے بس سا نظر آتا تھا۔ شاہی مؤرخ کے سارے الفاظ دم گھٹ کے مر گئے۔

وہ وقت کی طرح تھم گیا۔

"تو وہ سچ تھا؟" اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ "آپ ان کی محبت میں گرفتار ہیں؟ یہ فین گرل ہونے سے زیادہ شدید ہے۔ اوہ بے تالیہ!" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

تخت و تاج کے لیے جنگیں لڑنے والے..... محلوں میں رہنے والے... آخر میں کس مقام پہ آ کے روتے تھے؟ ایک دل تھا جو امیر غریب سب کا ایک ہی طرح سے دھڑکتا تھا۔ اوہ بے تالیہ!

تالیہ کی سیاہ آنکھوں کے کٹورے بھیگتے گئے۔

"یہ صرف ایک خواہش تھی جو میں کبھی پوری نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ وہ شادی شدہ ہیں۔ ان کے دو بچے ہیں۔"

وہ کافی دیر کچھ بول نہ سکا۔

"مگر وہ کہتے ہیں کہ ان کی بیوی کو علم بھی نہیں ہو گا اور وہ آپ کو فوراً چھوڑ دیں گے!" اب کے وہ بولا تو سنجیدہ اور سپاٹ سا تھا۔ بیٹھک میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں اور ان کی زرد روشنی میں سامنے بیٹھی شہزادی ایک بے بس' اور مجبور لڑکی سے زیادہ کچھ نظر نہیں آ رہی تھی۔

"اور یہی تو وہ نہیں جانتے کہ ایسا ادھورا ساتھ میرے لیے کتنا تکلیف دہ ہو گا۔ اگر کسی سے صرف پیپر میرج کرنی ہوتی اور بعد میں چھوڑ دینا ہوتا تو مجھے فرق بھی نہ پڑتا۔ ایک طلاق ہو چکی ہے میری۔ اور جو لڑکی طلاق کو سروائیو کر لیتی ہے وہ ہر چیز سروائیو کر سکتی ہے۔ مگر ایڈم.... اس کاغذی کھیل کو میں کیسے سروائیو کروں گی۔"

"بے تالیہ!" وہ ملال سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "کیا آپ کے پاس سلطان مرسل سے نجات کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔"

"میرے پاس شاید بہت سے راستے نکل آتے مگر وان فاتح کو لگتا ہے کہ ان کے منصوبے کے لیے یہ حل بہترین ہے۔ تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ تاشہ کی شہزادی ایک غلام سے ہی ہوئی ہے۔"

"اور آپ؟ آپ کو کیا لگتا ہے کہ وان فاتح پہ بھروسا کر کے آپ کوئی غلطی کریں گی یا عقل مندی؟"

"میں نفع نقصان دیکھے بغیر ان پہ بھروسہ کرنا

چاہتی ہوں۔"

ایڈم نے گہری سانس لی اور آنکھیں مسلیں۔ پھر کچھ دیر سوچتا رہا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ یہ شادی کرلیں۔ ہمارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور واپس جا کے وہ آپ کو آزاد کردیں گے یوں ان کا اپنا گھر بھی محفوظ رہے گا۔ کوئی ہرٹ نہیں ہوگا' کسی کا گھر نہیں ٹوٹے گا۔ آپ تو ان کے ساتھ رہنے کی خواہش کو کبھی بھی پورا نہیں کرنا چاہتی تھیں نا' تو پھر کیا ہوا جو وہ آپ کو چھوڑ دیں گے۔ جذباتیت کے بغیر اس کو ایک منصوبے کی طرح لیں۔ جیسے زندگی میں بہت سے کردار کیے ہیں آپ نے' ایسے ہی اس کردار میں بھی ڈھل جائیں۔ چند دن کا ایک اسکام جو ایک دن بلبلے کی طرح پھٹ جائے گا۔" وہ دھیمے لہجے میں سمجھا رہا تھا۔ تالیہ نے ملال بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"یعنی تالیہ کی شادی ہمیشہ ایک اسکام ہی ہو گی؟ اسکام کی طرح شروع.... اسکام کی طرح ختم۔ کیا ساری عمر جھوٹ بولنے کی یہی سزا ہوتی ہے؟ کہ جب زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہو تو کوئی یقین ہی نہ کرے۔"

ایڈم نے نظریں جھکا لیں۔ لمحے شرمندہ شرمندہ سے پھسلتے رہے۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے نم آنکھیں رگڑیں اور گردن اٹھا کے ذرا ہمت سے بولی۔ "میں یہ شادی کر لوں گی اور وان فاتح پہ بھروسا کروں گی۔ ہم واپس جائیں گے۔ میرا خواب کہتا ہے کہ ہم نئے زمانے میں ہوں گے۔"

"مگر اس خواب میں' میں نہیں تھا۔ خیر!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ نے وانگ لی کا مجسمہ بنانے سے انکار کیوں کردیا؟" اس نے سارے قصے میں تالیہ کی سنائی گئی دوسری اہم بات کا تذکرہ کیا۔ تالیہ نے بے رخی سے کندھے اچکائے۔

"مجھے کیا ملے گا وانگ لی کا مجسمہ بنا کے؟"

"آپ کو عصرہ بیگم نے بتایا تھا نا کہ وانگ لی کا مجسمہ شہزادی تاشہ نے بنایا تھا۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس کی وانگ لی سے دوستی تھی' وانگ لی نے خواہش کی کہ وہ اس کا مجسمہ بنائے اسی لیے شہزادی سرخ حویلی میں آیا کرتی تھی۔"

"اور میں نے خواب میں شہزادی کو پشت سے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً 'میں' ہی تھی اور وہ مجسمہ بنا رہی تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ مجسمہ بنانے نہیں دراصل بالائی منزل کے مکین سے ملنے جاتی تھی۔"

"اور ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ مکین کون ہے۔ سو مجسمہ بنالیں' شہزادی صاحبہ۔ اس کو آپ کے ہاتھوں سے ہی بننا ہے۔ وانگ لی کی دوستی میں نہ سہی' بالائی منزل کے مکین سے ملنے کے لیے ہی سہی۔"

"کیا ضروری ہے کہ ہم ہر کام وہی کریں جو اس کتاب میں لکھا ہے؟ ہونہہ۔ میں تاریخ کو بدلنا چاہتی ہوں۔ میں یہ نہیں کرنا چاہتی۔ بس۔" وہ ناگواری سے اٹھی اور لباس کی احتیاط کیے بغیر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ سادہ مگر لمبے گھیرے کے لہنگے کا کنارا میز کی کیل سے الجھا اور کپڑا پھٹنے کی آواز آئی۔ وہ رکی اور غصے سے کپڑا کھینچا۔ تین چار انچ کا چاک پڑ گیا۔ مگر کپڑا کیل سے علیحدہ ہو گیا۔

"احتیاط سے شہزادی!"

تالیہ نے مڑ کے دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔ "کون سے ہیرے جواہرات لگے ہیں اس لباس میں جو میں احتیاط کروں؟"

"یہ آپ کا لباس ہے' اس کے قیمتی ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔ ویسے بھی شہزادیوں کے میلے اور پھٹے پرانے لباس بھی صدیوں بعد میوزیم میں رکھے جاتے ہیں' یہ تو پھر قیمتی ہے۔" وہ جو سر جھٹک کے آگے بڑھ رہی تھی' ایک دم ٹھہری سی گئی۔ جیسے منجمد ہو گئی ہو۔

سارا محل اور ساتھ بہتا ملاکہ کا سمندر.... سب برف بن گیا تھا اور وہ اس میں نیلا برف ہوا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ دماغ میں جیسے کسی نے برف کی سل گھونپ دی تھی۔

چونک کے اس نے ایڈم کو دیکھا۔ وہ اب ادب سے رخصت لے رہا تھا۔ تالیہ سن کھڑی رہی۔

مگر اس ایک لمحے میں ہر چیز بدل گئی تھی۔

☆☆☆

صبح طلوع ہوئی اور شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کی کھلی کھڑکیوں سے روشنی نے اندر جھانکا تو تالیہ مراد کو دروازے کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ شریفہ سامنے ہاتھ باندھے مؤدب کھڑی تھی اور تالیہ ہاتھوں میں پکڑا رقعہ پڑھ رہی تھی جو رازداری سے اس تک پہنچایا گیا تھا۔

"اشراق کے وقت تک آپ کو میری حویلی میں ہونا چاہیے' شہزادی تاشہ۔ باقی سب بھی موجود ہوں گے۔ سن باؤ۔"

اس نے رقعہ مٹھی میں مروڑ دیا اور بازو سے بندھا ایک دوسرا رقعہ نکال کے شریفہ کی طرف بڑھایا۔

"یہ سامان کی فہرست ہے۔ اسے میری بگھی میں رکھواؤ۔ میں تیار ہونے لگی ہوں۔ پھر مجھے سن باؤ کی طرف جانا ہے۔" دانستہ اونچی آواز میں بولی کیونکہ کھلے دروازے پہ اس نے مراد کو رکتے دیکھ لیا تھا۔

"سن باؤ وانگ لی کی طرف؟ خیریت؟" وہ کمر پہ ہاتھ باندھے' شاہی قبا میں ملبوس' سنجیدہ رعب سے سوال کرتا اندر داخل ہوا تو شریفہ جھٹ سامنے سے ہٹی اور تالیہ نے فوراً سر جھکایا۔ "راجہ! صبح بخیر!" پھر سر اٹھا کے مسکرا کے بولی۔

"وانگ لی نے مجھ سے ایک خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں اس کا مجسمہ بناؤں۔ شادی تک خود کو مصروف رکھنے کا اس سے بہتر بہانہ مجھے کہاں ملے گا۔ اسی لیے مجسمہ سازی کا سامان لے کر آج وانگ لی کی طرف جانا ہے مجھے۔"

"ویسے......" مراد اس کو بغور دیکھنے لگا جیسے سوچ میں پڑ گیا ہو۔ "شہزادی کو ایک چینی غلام کا مجسمہ بنانا زیب نہیں دیتا۔"

"وہ چینی غلام نہیں سفارت کار ہے۔ ملاکہ کو قرضہ لا کے دے رہا ہے اور ملکہ یان سوفو کا وفادار ہے۔ ملکہ کے وفادار سے تعلقات اچھے رکھوں گی تو مجھے ہی آسانی ہوگی۔"

وہ مراد کے سامنے کھڑی' سادگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی، کہہ رہی تھی۔

"تو تم اب اس شادی کے لیے دلی طور پہ راضی ہو؟"

"طاقت میں بڑی کشش ہوتی ہے' راجہ! طاقت کسے بری لگتی ہے؟" پھر کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے مسکرائی۔ "امید کرتی ہوں' آپ مجھے بھاری زیورات دے کر اس محل سے رخصت کریں گے' راجہ۔ آخر آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ آپ کے سارے لوٹے گئے سونے پہ مجھ سے زیادہ کس کا حق ہوگا۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "کون سا سونا؟ میں نے کچھ نہیں چُرایا۔ ہاں' میری حلال کی کمائی بہت ہے میرے پاس۔ میں سنار کو بھجوا دوں گا۔ زیورات پسند کر لینا اور جو چاہو گی تمہیں ملے گا کیونکہ اس شادی کے بعد وہ ہوگا جو میں چاہوں گا۔"

"دیکھتے ہیں' راجہ!" اس نے سر جھکا کے کہا تھا۔

مراد کے جانے کے بعد وہ مسہری تک آئی جس کے ساتھ لوہے کی کھونٹی پہ لٹکا لباس نظر آ رہا تھا۔ ریشم کا بنا سادہ سفید لباس۔ لمبا اسکرٹ نما لہنگا اور گھٹنوں تک آتی قمیص اور ایک مفلر جیسا دوپٹا۔ تینوں چیزوں کا رنگ سفید تھا۔ نہ کام تھا' نہ زری نہ دبکا۔ ایک ستارہ تک نہ لگا تھا اس پہ۔

سفید ریشم کو ہاتھ سے مسلتے اسے وہ دن یاد آیا جب وہ پہلی دفعہ دلہن بنی تھی۔ سرخ کامدار لہنگا۔ سونے کے ہلکے سے زیورات بھی پہنے تھے۔ ٹیکا بھی تھا اور گلوبند بھی۔ کنگن اور مہندی بھی۔

اس نے سر جھٹکا اور لباس اٹھا لیا۔ اسے تیار ہونا تھا۔

دل پہ جو گزر رہی تھی اس سب کو نظر انداز کر کے.... اسے بس تیار ہونا تھا۔

☆☆☆

اس صبح سرخ حویلی کے صحن میں وہ کنویں کے

ساتھ بے مقصد سا کھڑا تھا۔ درخت کی چھایا کے باعث تیز روشنی اس کو نہیں چھو رہی تھی۔ شیو ہلکی بڑھی تھی اور بازو سینے پہ لپیٹے پانی میں جھانکتا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''تو تم شہزادی تاشہ کے ساتھ ان کے گاؤں سے آئے تھے؟'' آواز پہ وہ چونک کے پلٹا تو دیکھا' وانگ لی قہوے کی پیالی ہاتھ میں لیے' ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

فاتح نے ادب سے گردن جھکائی۔ ''مالک! میں شہزادی کے رازوں کا امین ہوں۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو ملکہ نے فرمایا وہ درست ہے۔''

''میں جانتا تھا تم عام آدمی نہیں ہو۔ سونے کا ایک ڈھیر دے کر میں نے تمہیں خریدا تھا۔ بیا کے کاروبار کو تم نے اٹھا کے رکھ دیا۔ اور اب ملکہ تمہارے بدلے مجھے سونے کا وہی ڈھیر دینے کو تیار ہیں۔ تم شہزادی سے شادی کے بعد آزاد ہو گے' فاتح!'' وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے پچھتا رہا ہو۔

''آپ میرے لیے ہمیشہ محترم تھے اور رہیں گے۔ کچھ چیزیں نہیں بدل سکتیں' مالک۔''

''واپس جا کے خط لکھتے رہنا۔ مجھے اچھا لگے گا۔'' وہ مڑنے لگا تو فاتح تیزی سے بولا۔

''آپ ملاکہ کو قرض کی دلدل میں نہ دھکیلیں' مالک۔ آپ اس تجویز پہ عمل کرنے والوں میں سے نہ بنیں۔''

''خط لکھتے رہنا' فاتح۔ مجھے اچھا لگے گا۔'' چینی سفارت کار نے نرمی سے یاددہانی کروائی اور قہوے کی پیالی سے گھونٹ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

باہر بگھیوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ مہمان پہنچ چکے تھے۔

جس وقت قاضی کاغذات کا پلندہ لیے برآمدے میں داخل ہوا' سامنے سن باؤ وانگ لی' ایڈم اور فاتح کو فرشی نشست پہ بیٹھے پایا۔

ان کے مقابل وہ بیٹھی تھی۔ زمین پہ، سادہ ملے عورتوں کی طرح۔ سفید لباس میں ملبوس' سفید دوپٹا سر پہ اوڑھے۔ وہ بس نظریں جھکائے اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔

قاضی نے کاغذات چھوٹی میز پہ رکھے اور دوزانو ہو کے بیٹھا۔ ایک مضطرب نظر وانگ لی پہ ڈالی۔

''سن باؤ.... یہ بہت خطرناک کام ہے۔ مجھے راجہ مراد کے سامنے گواہی دینا پڑے گی۔ کیا شہزادی تاشہ ان خطرات سے واقف ہیں؟''

''راجہ مراد کا اقتدار اب چند دن کا مہمان ہے۔ آپ کو ان سے نہیں' ان کو اب آپ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے کام کا آغاز کیجیے۔ باقی سب میں دیکھ لوں گا۔ آپ چینی سفارت کار ہیں۔ آپ کو ملاکہ کا کوئی عہدیدار نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

وانگ لی کا انداز سپاٹ تھا۔ قاضی نے گہری سانس لی اور کاغذات سامنے رکھے۔

''نکاح نامے کی چار نقول بنائی گئی ہیں۔ ایک میرے پاس رہے گی' تصدیق کے لیے.... باقی دونوں آپ کے پاس ہوں گی۔ چوتھی نقل میں وانگ لی کو دے دوں گا۔''

(یعنی ملکہ کو۔) گواہ کے طور پہ سامنے بیٹھے ایڈم نے سوچا تھا۔

وہ بس پژمردہ سا بیٹھا تھا۔ اس کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ صحن میں چڑیوں کے نغمے سنائی دے رہے تھے اور قاضی مقدس کلمات پڑھ رہا تھا مگر ایڈم کو صرف اس کے لب ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہر چیز سلو موشن میں ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

اس نے قاضی کو کلمات پڑھتے دیکھا۔

پھر مرد سے رضامندی لیتے دیکھا۔

مرد سپاٹ اور بے نیاز سا تھا۔ اس کے چہرے پہ ڈھیروں سکون تھا۔ وہ جیسے ذہن میں اگلا لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔

اس نے بلاتامل رضامندی دے ڈالی۔

پھر قاضی نے سفید لباس والی شہزادی سے پوچھا تو اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ قاضی کو دیکھا اور بے خوف انداز میں اقرار کے بول بولے۔

پھر اس نے دعا کے لیے اٹھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

اپنے ہلتے لبوں کو محسوس کیا۔

اتنی سی بات تھی اور ایڈم بن محمد کا دل خالی ہو گیا۔

دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔

قاضی چلا گیا۔ وانگ لی باہر نکل گیا اور وان فاتح اپنے دیگر کام نپٹانے اٹھ گیا۔ ایسے میں صرف صحن میں مجسمہ سازی کا سامان پڑا رہ گیا۔ شہزادی بھی جس خاموشی سے آئی تھی' اسی طرح اٹھ گئی۔ مرد اور شہزادی نے ایک دفعہ بھی نظر نہیں ملائی' نہ کسی نے کسی سے کوئی بات کی۔ ایسے لگتا تھا سب مشینی انداز میں ملکہ کا حکم ماننے کے لیے بیٹھے تھے۔ کام ختم ہوا تو وہ اپنی اپنی زندگیوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔

تالیہ نے بگھی واپس بھجوا دی تھی اور خود پیدل چلتی وانگ لی کے گھر سے نکلی تھی۔ سامنے سبزہ زار تھا اور درختوں کی لمبی قطار۔ وہ ان درختوں کی طرف جانے لگی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ خاموشی سے متوازن قدم اٹھا رہی تھی۔

''کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟'' ایڈم اس سے آملا۔

''جیسے خواب ہو کوئی اور ٹوٹ گیا ہو۔ سُن۔ بے حس۔ سرد۔'' وہ سکون میں لگتی تھی' جیسے کچھ ہوا بھی نہ ہو۔ دونوں ساتھ ساتھ گھاس پہ قدم اٹھانے لگے۔

''یہ صحن میں مجسمہ سازی کا سامان کیسا ہے؟ رات تک تو ڈٹی ہوئی تھیں کہ مجسمہ نہیں بنائیں گی۔''

وہ رکی اور اس کی طرف گھومی۔ ایڈم بھی ٹھہر گیا۔ دونوں اب درختوں کے بیچ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ قریب میں گھوڑے چرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''تم نے کہا تھا صرف اپنا سوچوں۔ سو میں صرف اپنا سوچ رہی ہوں اب۔ تم نے کہا تھا کہ میں ایک لالچی عورت ہوں جس کی زندگی کے سارے بڑے فیصلے خزانے کی کھوج کے گرد گھومتے ہیں۔ میں نے اس بات کو کھلے دل سے قبول کر لیا ہے' ایڈم۔''

''میرا وہ مطلب نہیں......''

''میں واقعی ایک خزانے کی پیچھے بھاگنے والی لڑکی ہوں' ایڈم! اور مجھے خزانہ مل گیا ہے۔'' وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ایک دم وہ کے ایل والی تالیہ لگنے لگی تھی۔ غلام سے نکاح اور شہزادی کا رتبہ' وہ سب جیسے ہوا ہی نہیں تھا۔

''خزانہ نہیں ہے' چے تالیہ۔''

''بالکل۔ خزانہ نہیں ہے' ایڈم! خزانے ہیں۔'' وہ مسکرا کے بولی تو ایڈم کے ابرو حیرت سے بھنچے۔

''خزانے؟''

''سن باؤ کا گھر اور سن باؤ کا مطلب ہوتا ہے 'تین خزانے'۔''

''وہ تو صرف وانگ لی کا لقب ہے اور....''

''چھ سو سال تک وہ گھر 'تین خزانوں والا گھر' کہلاتا رہے گا۔'' وہ زور دے کر بولی۔ ''اس گھر میں تین خزانے ہیں' ایڈم!''

''تین خزانے؟''

''ہاں۔ پہلا خزانہ 'وقت کا خزانہ' تھا۔ جس کا قفل ہم نے کھول لیا۔ تیسرا خزانہ میں نہیں جانتی کیا ہو گا مگر دوسرا خزانہ وہ ہے جو میرے خواب میں' میں اور تم ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ خزانہ جو ہمیں واپس جا کے بے تحاشا امیر کر دے گا۔''

''وانگ لی کے گھر میں خزانہ دفن ہے؟'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''عصرہ نے کہا تھا' شہزادی تاشہ' وانگ لی کی دوستی کے باعث اس گھر میں آتی تھی۔ مجھے اپنے خواب سے لگا تھا کہ وہ بالائی منزل کے مکین سے ملنے آتی تھی۔ لیکن یہ دونوں باتیں غلط تھیں۔'' اس کی مسکراہٹ میں اب شرارت در آئی تھی۔ ''میں وہ مجسمہ بنانے روز جاؤں گی وانگ لی کے گھر.... لیکن اس کی ایک تیسری وجہ ہے!'' وہ مسکرا کے بتا رہی تھی اور وہ دنگ سا کھڑا تھا۔

''میں وہاں 'دوسرے خزانے' کے لیے جاؤں گی۔''

"کیا وہاں خزانہ دفن ہے جس کو ہم نے کھودنا ہے؟"

"نہیں ایڈم! ہم نے خزانہ دبانا ہے۔ چھ سو سال بعد ہم واپس جا کے اس خزانے کو اسی گھر سے نکالیں گے۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ ایڈم کا منہ کھل گیا۔

"آپ سن باؤ کے گھر میں زیورات وغیرہ دبانا چاہتی ہیں؟" وہ اب بھی نہیں سمجھا تھا۔

"زیورات نہیں۔ میں کتنا ہی سونا چاندی اکٹھا کرلوں' وہ بیچ بیچ کے ختم ہو جائے گا۔ کے ایل میں' میں ایک سوشلائیٹ ہوں' اور ایک چور۔ تم ایک باڈی مین ہو۔ بھگوڑے فوجی۔ ہم دونوں حقیقتاً امیر نہیں ہیں اور ہم دونوں کو امیر ہونے کے لیے خزانہ چاہیے۔ اصلی خزانہ۔ ہمیں کچھ اور دبانا ہے۔"

سبزہ زار پہ ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ایڈم ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو اگر واپس جانے کا اتنا یقین ہے تو آپ تھیلے میں سب ساتھ لے جائیں۔ دفن کرنا کیوں ضروری ہے۔"

"میرے پاس زیور بہت کم ہے' ایڈم۔ اور مجھے کروڑوں ڈالرز کا خزانہ چاہیے۔ اگر زیور ساتھ لے گئے تو وہ وقت کا سفر طے کر کے ہمارے ساتھ نئے زمانے میں چلا جائے گا۔ وہ نیا ہی رہے گا۔ وہ قدیم نہیں ہوگا۔ جیسے میرے خواب میں یہ انگوٹھی (ہاتھ اٹھا کے انگوٹھی دکھائی) میری انگلی میں بالکل نئی لگ رہی تھی۔"

"تو آپ زیور کو یہاں دفن کرنا چاہتی ہیں؟"

"نہیں۔ میرے پاس اتنا زیادہ زیور ہے ہی نہیں اور زیورات کی 2016 میں کوئی اہمیت نہیں ہے' ایڈم! مگر جانتے ہو کس چیز کی ہے؟"

"کس کی؟" وہ تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"شہزادیوں کے استعمال شدہ پھٹے پرانے کپڑوں کی، تم نے ہی تو مجھے کل بتایا تھا۔ قدیم زمانے کے عام سے برتن' کتابیں' خطوط اور دوسری چیزیں نئے زمانے میں اینٹیک (نوادرات) بن جاتے ہیں جو کروڑوں ڈالرز کے بکتے ہیں جن کی نیلامی لگتی ہے۔ جو میوزیم میں سجائے جاتے ہیں۔"

"اوہ۔" بات بالآخر سمجھ میں آنے لگی تھی۔

تالیہ جوش سے بتا رہی تھی۔ "ہم شہزادی تاشہ' سلطان مرسل' ملکہ یان سوفو اور راجہ مراد کے زیرِ استعمال عام سی چیزیں اکٹھی کریں گے اور ان کو سن باؤ کے مجسمے تلے زمین میں دبا دیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ چھ سو سال بعد بھی وہ مجسمہ وہیں موجود رہے گا۔ اسے آنچ تک نہیں آئے گی۔ ہم ان چیزوں کو اپنے ساتھ وقت کے دروازے میں سے نہیں لے جاسکتے ورنہ وہ میری انگوٹھی کی طرح نئے رہیں گے۔ وہ بریسلیٹ اور چابی کی طرح زمانہ نہیں بدلیں گے۔"

"اور این ٹیک بننے کے لیے ان کا ایج کرنا ضروری ہے۔ ان کی عمر گزرنا ضروری ہے۔" اب وہ سمجھ رہا تھا۔

"ہاں۔ اور یہ خزانہ "چوری شدہ" نہیں ہوگا۔ یہ ہم نے اپنی محنت سے کمایا ہوگا۔ فاتح بن رامزل مجھے وہاں جاتے ہی چھوڑ دیں گے۔ ان کی زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ پھر میرا کیا ہوگا؟ میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب کوئی غلط کام نہیں کروں گی۔ مجھے اپنے خواب پانے کے لیے یہ خزانہ چاہیے ایڈم۔ یہ ہماری زندگیاں بدل دے گا۔ اور یہ.... "جائز" ہوگا۔"

وہ دم بخود کھڑا تھا۔ "آپ کا دماغ.... کیسے کام کرتا ہے' تالیہ؟ یہ اتنے شیطانی منصوبے کہاں سے آتے ہیں آپ کے دماغ میں؟"

تالیہ نے ابرو خفگی سے بھینچے۔

"بکو مت۔ یہ بتاؤ' کیا میرا ساتھ دو گے؟ کیا چند بے کار چیزوں کو چھ سو سال کے لیے دفن کرنے میں میری مدد کرو گے؟"

"پانچ سو ستاون سال!"

"زیادہ میرے استاد نہ بنا کرو۔ شکر ادا کرو کہ

تمہارے ساتھ ہیں ہی۔ میرے پلانز تھے۔"

"آپ شکر کریں کہ آپ کو میرے جیسا مفت کا غلام ملا ہوا ہے۔" وہ دونوں اب آگے بڑھ رہے تھے اور ان کی آواز دور ہوتی سنائی دے رہی تھی۔

"مفت کا کیوں؟ خزانے میں سے بیس فیصد حصہ دوں گی تمہیں۔"

"ایک منٹ ایک منٹ۔ بیس فیصد کس خوشی میں؟ ہم ففٹی ففٹی کریں گے۔"

"ففٹی فیصد دماغ تو ہے نہیں تمہارا ہونہہ۔ سارا پلان میرا' ساری محنت میری۔ تمہیں صرف مورل سپورٹ کے لیے رکھا ہے۔ اور زیادہ سودے بازی نہ کرو میرے ساتھ' ورنہ شہزادی کے جلال سے واقف نہیں ہو تم۔"

ایڈم نے چلتے چلتے بے اختیار اپنا دایاں ہاتھ جیب میں ڈال لیا۔

"تو شہزادی نہ وان فاتح کی محبت میں اس گھر میں آتی تھی' اور نہ ہی وانگ لی کی دوستی میں۔ وہ صرف خزانہ دفن کرنے آتی تھی۔ آپ نے ویسے بالکل نہیں بدلیں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ اب آپ مجھ سے "بنگار املایو" میں یہی لکھوائیں گی کہ شہزادی وانگ لی کی دوستی میں اس گھر میں آتی تھی۔ اے مکرم فرشتے!" اپنے بائیں کندھے کو دیکھ کے بولا۔ "میرے اعمال نامے میں سے بنگار املایو نکال دو' خدا کے لیے۔ اس کے سارے جھوٹوں میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"ویسے ایک بات ہے.... وہ نظم جو سن باؤ کے گھر کی دیوار پہ لکھی تھی... شہزادی تاشہ والی... وہ یہاں نہیں لکھی۔ وہ بھی یقیناً میں ہی لکھوں گی۔ مگر کیوں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ ایڈم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

وہ دونوں اب درختوں کے درمیان میں اوجھل ہو رہے تھے۔

دور سن باؤ کی حویلی کی بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑے فاتح نے مسکرا کے ان کو دور جاتے دیکھا تھا۔ وہ ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا' مگر اس کو ڈھیروں اطمینان میسر تھا۔

جھک کے اس نے پانی کے پیالے میں رومال ڈبویا اور گردن کے پیچھے لیپ شدہ غازہ رگڑ کے صاف کیا۔ وقت کی مہر واضح دکھائی دینے لگی۔

اس کو ظاہر کرنے کا وقت آگیا تھا۔

ہر شے پلان کے مطابق ہو رہی تھی۔

☆☆☆

اس صبح قدیم ملاکہ میں زور کی بارش ہوئی تھی مگر دوپہر تک مطلع صاف ہوگیا اور سورج نکل آیا تو سارے میں دھوپ چھاؤں جیسا موسم ہوگیا۔ ایسا آنکھ مچولی والا موسم تھا کہ الامان۔

"جیا" کی رسوئی میں فاتح زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ گود میں بہت سے پتے رکھے تھے جن کو وہ ٹہنیوں سے علیحدہ کر کے ایک ٹوکری میں ڈال رہا تھا۔ ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے اور پوروں میں پتوں کی مہک رچ بس گئی تھی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ!" اداس سی آریانہ اس کے ساتھ آ بیٹھی تو اس نے نظر اٹھائی۔ سفید ہیئر بینڈ لگائے' وہ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے' چوکڑی مارے بیٹھی اسے یاسیت سے دیکھ رہی تھی۔

"کہتے ہیں قدیم چینی بادشاہ شین نانگ ایک دفعہ سفر پہ نکلا تو ایک جگہ پڑاؤ کے دوران اس کے غلام عادتاً اس کے لیے لکڑیاں جلا کے پانی ابالنے لگے۔ ہوا چلی اور درخت سے ایک پتا ٹوٹ کے پانی میں جا گرا۔ کسی کو علم تک نہ ہوا اور معمول کے مطابق غلاموں نے بادشاہ کو کڑھا ہوا پانی پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اسے پیا تو ذائقہ بے حد مختلف تھا۔ اس کڑھے پانی نے اسے تازہ دم کر دیا۔ اس نے تحقیق کی تو پتا چلا کہ ایک پتا پانی میں گرا تھا۔ کہتے ہیں بادشاہ شین نانگ وہ پہلا انسان تھا جس نے پتے ابال کے پہلی 'چائے' بنانے کی روایت ڈالی۔ تب سے لوگ پتوں کو ابال کے قہوہ' چائے اور "جیا" بنانے لگے۔ میں بھی اس وقت چائے کے پتے علیحدہ کر رہا ہوں۔"

"میں اس کی بات نہیں کر رہی۔ میں پوچھ رہی

...کہ آپ کیا کر رہے ہیں!" وہ دل برداشتہ سی بولی۔

"میری ماما کا کیا ہوگا' ڈیڈ؟ آپ کیسے کسی اور سے شادی کرسکتے ہیں؟"

"یہ صرف ایک کاغذی معاہدہ ہے اور یہ ہمیں یہاں سے آزادی دلائے گا۔" وہ سر جھکائے پتے توڑ رہا تھا۔

"مگر کیسے؟"

"قدیم کہاوتیں کبھی غلط نہیں ہوتیں' آریانہ۔ اور ایسی ہی ایک کہاوت کہتی ہے کہ 'سچ تمہیں آزاد کر دے گا مگر....'"

"مگر پہلے وہ تمہیں غصہ دلائے گا۔" اس نے جھٹ فقرہ مکمل کیا۔

"تو صرف سچ ہے جو ہمیں آزاد کرے گا۔" وہ ٹوکری رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا' کپڑے جھاڑے اور جوتے پہنے۔ آج کل وہ خود سے باتیں کم کرتا تھا۔ اس کے پاس سارے جواب موجود ہوتے تھے۔ سادہ کرتے' پاجامے میں' کمر کے گرد کپڑا باندھے' وہ پہلے سے زیادہ پرامید لگ رہا تھا۔

"جو اس دنیا میں ہوگا' وہ اس دنیا میں ہی رہ جائے گا۔ میں کوئی نیا رشتہ ساتھ نہیں لے کر جاؤں گا۔ مجھے کسی رشتے کو بنانے میں دلچسپی نہیں ہے' آریانہ! مجھے صرف آزادی چاہیے۔" اور پھر وہ مڑ گیا۔ آریانہ اس کی گردن کے پیچھے ثبت مہر دیکھ سکتی تھی۔

ہال کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ میزیں لگی تھیں اور لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کمرے کے آغاز میں ایک چبوترہ سا بنا تھا۔ وہ اس پہ کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا۔

"مجھے پرسوں کسی نے 'غلام فاتح بن رامزل' کہہ کے پکارا تھا۔" اس کی آواز کی گرج اور بھاری پن سے کئی ہاتھ رکے۔ کئی گردنیں مڑیں۔ وہ کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑا' کمرے کے ایک کونے سے دوسرے تک سب کو باری باری دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"اور میں نے اس سے کہا کہ میرا نام غلام نہیں ہے اور مجھے میرے نام سے پکارا جانا چاہیے۔ جانتے ہو کیوں؟"

جیا کے نیم تاریک ہال میں خاموشی چھانے لگی لوگ اس کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ لقمے چبانے لگے۔ برتنوں کی کھڑ پڑ کم ہوگئی۔

"کیونکہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ اس نے بنی آدم کو عزت بخشی۔ ان کو 'اکرام' سے نوازا۔ ملاکہ کے لوگو.... آدم علیہ السلام کی اولاد کا ہر شخص خواہ وہ نیک ہو یا بد' امیر ہو یا غریب' کالا ہو یا گورا' مسلمان ہو یا غیر مسلم' ہر انسان.... عزت کے.... قابل ہوتا ہے۔" وہ ہاتھ اٹھا کے زور دے کر بول رہا تھا۔ لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ لب ہل رہے تھے۔ گھونٹ بھرے جا رہے تھے مگر آواز نہیں آتی تھی۔

"چاہے ہمیں کوئی انسان برا لگتا ہو.... چاہے ہمیں کسی سے نفرت ہو.... مگر ہم سب پہ لازم ہے کہ ہم ہر انسان کی عزت کریں کیونکہ اللہ نے سب کو عزت سے نوازا ہے۔ جانور صرف کھانے اور سائبان کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے۔ انسان نہیں۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے 'عزت' بھی چاہیے ہوتی ہے۔"

وہ بلند آواز میں قدرے خفگی سے کہہ رہا تھا اور لوگ سن رہے تھے۔

"کیوں بے عزت ہونے کے بعد لوگ شہر چھوڑ دیتے ہیں' خودکشی کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ غم سے مر بھی جاتے ہیں؟ کیونکہ انسان نہیں رہ سکتا عزت کے بغیر۔ تم کیسے لوگ ہو؟ تمہیں تمہارے گھروں سے اغوا کر کے یہاں غلام بنا لیا گیا ہے اور تم اپنے مالکوں کی جھڑکیاں سنتے ہو مگر اپنے لیے کھڑے نہیں ہوتے؟"

اسے جیسے ان لوگوں پہ بے حد غصہ آرہا تھا۔ مگر وہ چپ چاپ سنے گئے۔

"یاد رکھو، اگر کسی انسان کی محبت یا خوف تمہیں اتنا بے بس یا بے حس بنا دے کہ وہ تمہاری بے توقیری کیے جا رہا ہے اور تم چپ چاپ برداشت کر رہے ہو تو تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ انسان کو کسی بھی رشتے میں اپنی عزت قربان نہیں کرنا چاہیے۔ تم اچھے ہو یا برے' تم معزز ہو۔ تمہارے معزز ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔"

کچھ لوگ خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کچھ خاموشی سے کھا رہے تھے۔

"میں یہاں تم لوگوں کو مفت میں اگر کھانا دلواتا ہوں تو عزت کے ساتھ۔ تاکہ تم اپنی عزت خود کرنے لگو۔ خدا کے لیے اپنی قدر کرنا سیکھو۔ جانوروں کی طرح دوسروں کی ناجائز باتیں مت برداشت کرو۔ اپنے حق کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ اکٹھے ہو جاؤ اور احتجاج کرو۔ سلطان کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تمہارے اوپر ظلم ہو رہا ہے۔ اسے بتاؤ کہ تمہیں کسی منڈی میں نہیں خریدا گیا۔ تمہیں ناجائز طور پہ غلام بنا کے بیچا گیا ہے۔ میں تمہارے لیے سلطان کے پاس جانے کو تیار ہوں' ملاکہ کے لوگو.... لیکن کیا تم لوگ اپنے لیے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟"

کچھ نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر وہاں ہر چہرے پہ تھکن تھی۔ گردنیں واپس پلٹ گئیں۔ برتنوں کی آواز آنے لگی۔ کھانا دوبارہ سے کھایا جانے لگا۔ فاتح نے گہری سانس بھری سر جھٹکا اور چبوترے سے اتر آیا۔ پھر کونے میں دیکھا تو آریانہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔

اسے متوجہ پا کے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ (یہ لوگ بہت بزدل ہیں' ڈیڈ۔)

"ایک دن آئے گا جب یہ لوگ اپنے لیے کھڑے ہوں گے' آریانہ! کیونکہ یہ تاریخ میں لکھا ہے۔ یہ قسمت میں لکھا ہے۔ بس تم انتظار کرو۔" وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوتا رسوئی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے چہرے پہ کوئی اضطراب' مایوسی کچھ نہ تھا۔

کونے کی ایک میز پہ بیٹھے چغہ پوش آدمی نے غور سے اسے جاتے دیکھا۔ مدھم روشنیوں کے باوجود اسے 'جیا' کے اس نمایاں' خوش شکل اور تنومند سے غلام کی گردن کی پشت پہ ایک جلنے کا داغ سا نظر آیا تھا۔

آدمی نے جیب سے رقعہ نکالا اور کھول کے دیکھا۔ اس پہ بنا خاکہ ہو بہو ویسا تھا۔ وہ بالآخر مسکرایا۔ پھر چپ چاپ اٹھا اور قہوہ خانے سے باہر نکل گیا۔

اسے بنداہارا کا مطلوبہ شخص مل گیا تھا۔

اب اس کا رخ مراد راجہ کے محل کی جانب تھا۔

☆☆☆

رات کا سیاہ آسمان تھا.... چاند چمک رہا تھا.... اونچے ٹیلوں کا راستہ پیدل چلنے والوں کے لیے دشوار گزار اور پتھریلا تھا۔ مگر وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے.... تالیہ آگے تھی.... ایڈم پیچھے تھا۔ ان کا لباس اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا.... بس تاریکی میں گویا دو ہیولے تھے جو اوپر چڑھتے جا رہے تھے۔

سامنے سبزہ زار دکھائی دیا اور چاندنی میں نہائے درخت تو وہ سانس لینے کو رکی۔ جب سے مجسمہ بنانا شروع کیا تھا' ہر رات وہ دونوں یہاں آکے درختوں میں کچھ چیزیں چھپا جاتے تھے۔ دوپہر میں جب وہ شاہی بگھی میں حویلی آ کے مجسمے کا کام شروع کرتی تو ایڈم ان کو درختوں کی کھوہ سے نکالتا اور لباس میں چھپائے اندر لے آتا۔ کسی سپاہی کو علم تک نہ ہوتا کہ وہ دونوں مجسمے کی بنیاد میں کیا بھر رہے ہیں۔

آج وہ درخت میں چند برتن چھپانے کے بعد پلٹی نہیں۔ بلکہ سن باؤ کے گھر کی طرف آ گئی۔ سن باؤ آج کسی تقریب میں گیا تھا اور گھر پہ نہیں تھا۔ حویلی خاموش پڑی تھی۔ اکا دکا غلام جو یہاں ہوتے تھے' وہ بھی غالباً جیا پہ تھے۔

حویلی کا دروازہ کھلا تھا۔ اس زمانے میں لوگ اپنے گھروں کے دروازے مقفل نہیں کرتے تھے۔ وہ چغے کی ٹوپی سر پہ جمائے تیزی سے اندر داخل ہوگئی تو ایڈم کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

"سچ تالیہ...." وہ پیچھے سے ہانپتا ہوا آیا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا ایڈم!" وہ راہداری میں آگے بڑھتی

گئی اور صحن میں آگئی۔
"آپ کیا کرنے جارہی ہیں؟" وہ زچ ہوگیا۔
"میں ہم دونوں کو بہت امیر کرنے جارہی ہوں ایڈم!" وہ آخری دیوار تک آئی اور اندھیرے میں اسے ٹٹولنے لگی۔
وہ چلتے چلتے بیچ صحن تک آیا اور رک کے اسے دیکھنے لگا۔
"کیسے؟"
وہ پلٹی اور چمکتی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
"تاشہ کے خزانے سے جسے ہم دونوں کھود کے نکالیں گے۔"
"وہ تو مجھے معلوم ہے مگر ابھی آپ کیا کررہی ہیں؟"
"میں اپنے لیے نشانی چھوڑ رہی ہوں۔" وہ دیوار کے اس کونے تک آئی جہاں اس نے خواب میں ایک نظم لکھی دیکھی تھی۔
"کیا؟" وہ حیران رہ گیا۔
"کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ایڈم کہ تاشہ نے اس دیوار پہ وہ نظم کیوں لکھی تھی؟" وہ مسکرائی۔
"کیوں؟"
"تاکہ ایڈم اور تالیہ اس دیوار تک جائیں اور وہاں دفن خزانے کے راز کو کھود نکالیں لیکن ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ مجسمے سے کتنی اینٹوں کے فاصلے پہ ہم نے خزانہ دبایا تھا؟ وہ نظم جس مقام پہ لکھی جائے گی' اس کی سیدھ میں خزانہ ہوگا۔ ایک دفعہ ہم خزانہ نکال لیں تو ہم دنیا کے سب سے طاقتور لوگ بن جائیں گے ایڈم۔" وہ ایک اینٹ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ یہ اس جگہ کی سیدھ میں تھی۔ اس نے وہاں چاقو سے نشانی لگائی۔ صبح وہ ادھر نظم لکھ دے گی۔
"اور وان فاتح؟ ان کا کیا؟" ایڈم نے یاد دلایا۔ وہ دونوں اب خاموشی سے گھر سے باہر آگئے تھے اور درختوں کی طرف جارہے تھے۔
"وہ زر اور زمین سے بے نیاز انسان ہیں۔ ان کو خزانے کی خبر تک نہیں ہوگی۔ یہ صرف میرا اور تمہارا ہے اور مجھے یقین ہے کہ جب ہم نئے زمانے میں جا کر اس جگہ کو کھودیں گے تو خزانہ وہاں موجود ہوگا۔ ہم نے خاص حفاظتی طریقے سے بنیادوں میں اسے بھرا ہے۔"
"ویسے نئے زمانے میں اس سب کی قیمت کیا ہوگی؟" اس کو بھی دلچسپی ہوئی۔
"بنداہارا کی نوکرانی شریفہ کے خطوط سے لے کر سلطان کے زیرِ استعمال مہر شدہ جام تک' یہ ساری چھینکی ہوئی چیزیں جب ہم نکال کے ماہرین کے پاس ٹیسٹ کے لیے لے کر جائیں گے تو یہ چیزیں ہر ٹیسٹ پاس کرجائیں گی۔ ہم ان کی عرب اور یورپی ممالک میں نیلامی کروائیں گے اور ایک ایک چیز کروڑوں ڈالر میں بکے گی۔ تم اور میں بہت امیر ہونے جارہے ہیں ایڈم!"
پھر ایک دم وہ مسکرائی اور اوپر سیاہ آسمان کو دیکھا۔
"یہی منظر تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ مجھے لگا تھا اس میں ہم خزانہ ڈھونڈنے کی بات کر رہے ہیں مگر نہیں۔ ہم اس میں خزانہ دبانے کے بعد کھود کے نکالنے کی بات کررہے تھے۔ سارے چکر وقت کے تھے ورنہ ہر بات سمجھ میں آسکتی تھی۔"
وہ دونوں اب سبزہ زار سے نیچے اتر رہے تھے جہاں ان کے گھوڑے منتظر کھڑے تھے۔ پہلی دفعہ ایڈم کو اس کی باتوں سے امید ہونے لگی تھی کہ واپس جا کے.... وہ بھی امیر ہوجائے گا۔ واہ!

☆☆☆

مجسمے کو بناتے بناتے چھٹا دن آپہنچا تھا۔ اس دوپہر وہ سن باؤ کے صحن میں موجود تھی اور کام کررہی تھی۔ سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے' شفاف چہرہ لیے وہ مخملیں چغے میں ملبوس تھی۔ زیور پہنے ہاتھوں پہ گارا ابھی تک لگا تھا۔ بنیادیں بھری جاچکی تھیں اور مجسمے کی ٹانگیں بن چکی تھیں۔ تالیہ پیچھے ہٹی اور توصیفی انداز میں مجسمے کو دیکھا۔
"میرے آرٹ کو مانتے ہو یا نہیں؟" ساتھ کھڑے ایڈم سے ستائش طلب کی۔ اس نے گہری سانس لی۔
"قیامت کے دن اس میں جان ڈالنی پڑے گی آپ کو محترمہ! میرے اعمال نامے کو ان سیاہ کاریوں سے دور رکھیے۔"
تالیہ نے تنک کے اسے دیکھا۔ "چوری کرنے سے تو یہ بہتر کام ہے نا! اور پھر ایک دن میں اس کو خود ہی گرادوں گی۔ جب.... ہم وہ خزانہ نکالیں گے۔" دبے الفاظ میں یاد کروایا۔
"چلیں، مان لیا۔ اچھا اگر آپ کو مجسمے سے فرصت مل جائے تو مجھے ان کتابوں کا بتایئے گا' شہزادی صاحبہ! وہ ہمیں بنداہارا کے خزانے تک لے جاسکتی ہیں۔" اس نے بھی آواز دھیمی کی۔
"تم محل واپس جاؤ' ایڈم! ملکہ نے وہ کتابیں تمہارے کمرے میں اب تک بھجوادی ہوں گی۔"
ایڈم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ "اور آپ مجھے اب بتا رہی ہیں؟ جانتی ہیں' تین چاند والے جزیرے پہ چھپی دولت ملاکہ کے لوگوں کی امانت ہے اور اس کا ڈھونڈنا بہت ضروری تھا۔"
"مگر میں ٹھہری لالچی، خودغرض، چور عورت۔ میرے لیے میرا خزانہ (مجسمے کے قدموں کی طرف اشارہ کیا) زیادہ ضروری تھا۔ اب جاؤ تمہارا کام یہاں ختم ہے۔"
شان بے نیازی سے ہاتھ جھٹکا تو وہ فوراً (سلام' آداب بھول کے) باہر کو بھاگا۔
تالیہ واپس اپنا کام کرنے لگی۔ اسی اثناء میں سن باؤ اپنے کمرے سے نکلا اور اس کی طرف آیا۔ ادب سے سلام کیا۔
"معذرت' شہزادی۔ میں آپ کو تنہا چھوڑ کے کام کرنے چلا گیا۔ چند اہم خطوط شاہ چین کی طرف ارسال کرنے تھے اور ابھی ابھی قاصد نے اطلاع دی ہے کہ ملکہ نے مجھے بلوایا ہے۔"
"آپ آرام سے اپنے کام کیجیے' وانگ لی۔ میں یہ مجسمہ آپ کی طرف دیکھے بغیر بھی مکمل کرسکتی ہوں۔ کل تک یہ تیار ہوگا۔" وہ جھکی اور گارے کو ہاتھوں میں بھرے اٹھی۔ وانگ لی کی طرف پشت تھی۔ وانگ لی ممنونیت سے مسکرایا۔
"آپ کا شکریہ شہزادی۔ میری پرانی خواہش پوری کرنے کے لیے۔"
شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ برآمدے کی طرف پشت کیے وہ مجسمے کے اوپر مٹی لیپتی رہی۔ کتنی دیر گزری اسے علم نہ ہوسکا۔ وانگ لی کام سے چلا گیا اور وہ مجسمہ بناتی رہی۔ آوازیں البتہ سنائی دی تھیں۔ کوئی باہر سے آیا تھا اور برآمدے کی طرف آنے کی بجائے راہداری سے سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔ زینے چڑھنے کی آواز آئی.....
پھر تالیہ کو محسوس ہوا کہ کوئی بالائی منزل کے کمرے کی کھڑکی میں آکھڑا ہوا ہے۔
کوئی ہیولہ سا.... جیسے کوئی دراز قد' توانا مرد ہو.... اور وہ نیچے دیکھ رہا ہو....
جہاں صحن کے کونے میں وہ کھڑی تھی.... مخملیں چغہ پہنے... جو شاہزادیاں سفر میں پہنا کرتی تھیں.... اس کی کھڑکی کی طرف پشت تھی.... بالوں پہ ریشمی اوڑھنی لے رکھی تھی اور سر پہ جمے تاج کی پشت دکھائی دے رہی تھی....
چغے کی آستینوں سے نکلتی سپید بانہوں میں سونے اور ہیرے کے کنگن تھے.... خوب صورت ہاتھوں میں زمرد اور یاقوت جڑی انگوٹھیاں تھیں.... اور وہ ہاتھ مہارت سے مٹی اور گارے سے چبوترے پہ مجسمہ بنا رہے تھے۔
شاہزادی.... مجسمہ بناتے ہوئے بار بار رکتی تھی۔ گردن ذرا سی موڑتی تھی.... شکل ابھی بھی دکھائی نہیں دیتی تھی.... بس ماتھے کے اوپر تاج کا کونا کنپٹی سے جھلکتا تھا۔
بار بار گردن موڑنے کی خواہش کے باجود وہ واپس چہرہ پھیر جاتی تھی.... جیسے واقف تھی کہ اوپر کھڑکی میں کوئی اسے دیکھ رہا ہے.... پھر دفعتاً وہ سر جھکا کے ہلکا سا ہنسی.... اور گردن موڑی.... بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑا مرد تعجب سے اسے دیکھ رہا

تھا۔ چہرہ تکان سے لبریز تھا اور بال الجھے بکھرے سے تھے۔
اسے خود کو دیکھتے پا کے وہ مسکرایا اور پھر واپس پلٹ گیا۔ زینے اترنے کی آواز آئی۔
تالیہ پلٹ کے اپنا کام کرنے لگ گئی۔
دفعتاً اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا مگر اطمینان سے مسکراتے ہوئے مجسمہ بناتی رہی۔
''شہزادی!'' ادب سے کہا گیا تو وہ اس نے بے نیازی سے چہرہ موڑا۔ ''توانکو!''
وہ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے خوش گوار حیرت سے مجسمے کے قریب آیا اور چاروں طرف سے اسے گھوم پھر کے دیکھا۔
''میں چھ دن سے جیا میں تھا۔ وانگ لی نے گھر آنے سے منع کر رکھا تھا۔ یقیناً تم نے منع کیا ہوگا۔'' وہ ستائش سے مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ ''پہلے تو کہہ رہی تھیں کہ مجسمہ بنانے نہیں آؤ گی۔''
''میں صرف یہ کہہ رہی تھی کہ بالائی منزل کے مکین سے ملنے نہیں آؤں گی۔''
''تو میری بیوی درست تھی۔ شہزادی تاشہ یہاں صرف وانگ لی کی دوستی میں آتی تھی۔'' وہ گردن جھکا کے مجسمے کا جائزہ لے رہا تھا۔
تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم سرخ اینٹوں والے صحن میں کوئی عجیب مردنی سی چھانے لگی تھی۔
''آپ کی بیوی درست ہے۔'' ایک چور نظر مجسمے تلے زمین پہ ڈالی جواب برابر کر دی گئی تھی اور جس کے اندر بہت کچھ دفن تھا۔ ''اور آپ کو مجھے میرا مقام یاد دلانے کے لیے عصرہ بیگم کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے وہ فیصلہ صرف آپ کے اوپر بھروسا کر کے کیا تھا۔'' آواز میں درشتی گھل گئی۔
''ٹھیک کیا تھا۔'' وہ ابھی تک مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ انداز بے نیاز سا تھا۔ اس کے لیے صرف آزادی اہم تھی۔ کوئی رشتہ' کسی کے احساسات' اس سب کے نتائج' سب ثانوی تھا۔
''اگر آپ نے میرے کام کو سراہ لیا ہو تو پلیز ہٹ جائیے۔ مجھے میرا کام کرنے دیں۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولی تو فاتح نے بس مسکرا کے اسے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی طرف پشت ہوئی تو اس کی گردن کا نشان اس کی نظروں میں چبھا۔
تالیہ کا سانس تھم گیا۔ ''توانکو! آپ نے وہ غازہ اتار دیا؟''
اس نے مڑ کے تالیہ کو دیکھا اور کندھے اچکائے۔ ''تمہیں لگتا ہے وان فاتح کسی سے ڈرتا ہے؟'' مسکرا کے سر جھٹکا اور برآمدے کی جانب چلا گیا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔
ان کے درمیان کچھ بھی نہ بدلا تھا اور جیسے سب بدل گیا تھا۔
''میں اگلے تین دن مجسمہ بنانے کے لیے روز آؤں گی۔ کوشش کیجیے گا کہ آپ وہ وقت جیا میں ہی گزاریں تاکہ میں آرام سے اپنا کام کر سکوں۔'' قدرے خفگی سے اسے پکارا مگر وہ اَن سنی کر کے اندر جا چکا تھا۔
''ہونہہ۔ گستاخ۔'' وہ سر جھٹک کے واپس مجسمے کی طرف متوجہ ہوئی۔

☆☆☆

یہ تیسرے روز کی بات ہے جب وہ سن باؤ کے گھر سے تھکی ہاری واپس اپنے محل آئی اور اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو ایڈم بن محمد بے چین سا وہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میز پہ چند کاغذ رکھے تھے۔ اسے دیکھ کے فوراً اٹھا۔
''مجسمہ مکمل ہو گیا؟''
''اپنے سارے رازوں کے ساتھ وہ مکمل ہو گیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اندر آئی۔ دروازے بند کر دیے اور ایک قندیل بجھا دی۔ روشنی ہلکی ہو گئی اور کمرے کا ماحول اسراریت میں ڈوب سا گیا۔
''تھک گئیں کیا؟'' وہ جو کچھ اور کہنے لگا تھا' اس کا تکان زدہ چہرہ دیکھ کے بات روک لی۔

وہ سنگھار میز تک آئی اور ننھے صندوق سے خوشبودار گیلا رومال نکالا' پھر اس سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی۔ ''میں نے ان معمولی چیزوں میں سے کوئی بھی چیز چرائی نہیں تھی' ایڈم۔ میں نے وہ خود حاصل کی تھی۔ جائز طریقے سے۔ سوائے شریفہ کے خطوط کے۔ ان کے لیے بھی آج ایک بھاری رقم اسے ادا کر دی ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں ان خطوط کو چھ سو سال بعد بیچنا چاہتی ہوں مگر وہ خوش ہے اور میں بھی خوش ہوں کیونکہ یہ خزانہ جو ہمیں بہت امیر کرے گا' میری جائز کمائی کا ہوگا۔'' پھر رومال رکھا اور مسکرا کے سنگھار میز کے کنارے پہ ٹک گئی۔ ایڈم واپس بیٹھا اور کاغذ سامنے پھیلائے۔
''تین چاند والا جزیرہ ملاکہ سے مغرب کی سمت ڈیڑھ دن کی مسافت پہ ہے۔ ہمیں جلد از جلد وہاں جانا ہوگا۔ کچھ نقشے اس کتاب میں تھے' اور کچھ میں نے شہر کے کتب خانوں سے اکٹھے کیے ہیں۔'' پھر وہ جوش سے کاغذ پہ مختلف مقامات پہ انگلی رکھ کے اسے راستہ سمجھانے لگا۔ دفعتاً اسے ایک خیال آیا۔ ''مگر آپ کیسے جاسکیں گی؟ کم از کم تین دن تو آنے جانے میں لگ جائیں گے۔''
''اس کی فکر مت کرو۔ شہزادیاں رواج کے مطابق شادی سے قبل چند دن شاہی آداب کی تربیت حاصل کرنے جنوبی محل کی طرف چلی جاتی ہیں۔ راجہ مراد نے مجھے بھی وہاں جانے کو کہا ہے۔ انکار کروں گی تو راجہ کو شک ہوگا۔ یوں کرتی ہوں کل وہیں چلی جاتی ہوں۔ تم میرے ساتھ آنا۔ وہاں سے ہم سمندری سفر پہ نکل جائیں گے۔''
ایڈم کا چہرہ خوشی سے تمتما [illegible] اٹھا۔ ''اگر ہم ملاکہ کے لوگوں کی لو[illegible] دولت واپس لاسکیں تو ملاکہ کو چین سے قرضہ لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم تاریخ بنانے جا رہے ہیں بے تالیہ۔'' وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔ تالیہ بھی مسکرا دی۔
''تم تیاری کرو۔ ہم علی الصباح روانہ ہوں گے۔''
وہ پرعزم تھی۔ ایک تھکا دینے والے دن کے بعد ایک مشکل صبح کا آغاز ہونے والا تھا۔
اپنے کمرے میں کرسی میز پہ براجمان مراد راجہ لکڑی کی ننھی کشتی میں کیل ٹھونکتا دکھائی دے رہا تھا۔ میز پہ چند آلات اور لکڑی کے باریک ٹکڑے بکھرے پڑے تھے اور وہ مہارت سے اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ سامنے ہاتھ باندھے مؤدب سا عارف کھڑا اگلے حکم کا منتظر تھا۔
''شہزادی تاشہ جلد جنوبی محل روانہ ہو جائے گی۔'' وہ نظریں کشتی پہ جمائے سرد آواز میں بولا۔ ''اس کے جاتے ہی تم وانگ لی کے اس غلام کو گرفتار کر کے یہاں لے آؤ گے جس کے گردن پہ تمہارے آدمی کو چند دن پہلے وہ نشان نظر آیا تھا۔ ابھی تک میں صرف شہزادی کی وجہ سے خاموش تھا۔ اس کے جاتے ہی یہ کام ہو جانا چاہیے۔''
''جو حکم عالی جاہ!'' عارف نے فوراً سر جھکایا۔ مراد راجہ اب مہارت سے کشتی کے اوپر ننھا سا بادبان لگا رہا تھا۔
کھڑکی کے باہر گہری مہیب رات اتر رہی تھی۔ خاموشی سے۔ چپ چاپ۔

☆☆☆

اس صبح سرخ حویلی کے صحن میں وہ مجسمہ اپنے پورے قد سے کھڑا تھا۔ کنویں سے پانی کا ڈول نکالتے وقت وان فاتح نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔ عجیب لڑکی تھی۔ کبھی کہتی تھی مجسمہ نہیں بنائے گی اور اب.... چند دن میں یہ اونچا سا بت تراش کے چلی گئی۔ اسے صنم تراشی' پینٹنگز اور ایسی چیزوں میں کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی مگر یہ مجسمہ.... وہ اس کو ہمیشہ وہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی زندگی کا ایک حصہ اس مجسمے کو دیکھتے گزرا تھا۔
پانی کا ڈول اس نے برآمدے میں رکھا ہی تھا کہ دروازہ بج اٹھا۔ دستک ایسی گرج دار اور خوف ناک تھی کہ وہ چونکا۔ پھر تیزی سے راہداری میں آیا اور دروازہ کھولا۔
سامنے اسلحے سے لیس شاہی سپاہی کھڑے

تھے۔ان کی تلواریں میان سے باہر تھیں۔
"فاتح بن رامزل! تمہیں بنداہارا مراد راجہ کے حکم پہ گرفتار کیا جاتا ہے۔" ایک سپاہی نے گرج دار آواز میں حکم سنایا' باقی دو اس پہ جھپٹے اور اسے بازوؤں سے پکڑ کے گھٹنوں کے بل زمین پہ بٹھایا۔ سختی سے اس کے ہاتھ کمر پہ لے جا کے رسی سے باندھے۔
شور سن کے وانگ لی بستر سے نکل کے فوراً باہر آیا تھا۔
"اس کو کیوں لے جا رہے ہو؟ کیا قصور ہے اس کا؟" وہ چلایا تھا۔
گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھے فاتح نے چہرہ اٹھایا اور ایک نظر وانگ لی کو دیکھا۔ "آپ آرام فرمایئے' مالک۔ مجھے اپنے سارے قصور معلوم ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ جانے دیجیے۔" وہ ضبط سے کہتا پرسکون نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے اس کے کندھوں پہ زور زبردستی کے اسے گھٹنوں کے بل بٹھا رکھا تھا۔ ایک آدمی اس کے ہاتھوں کو رسی میں جکڑے جا رہا تھا۔
"مگر....." وانگ لی نے پریشانی سے ان سپاہیوں کی فوج کو دیکھا اور پھر سیاہ گھوڑا گاڑیوں کو جو سامنے کھڑی تھیں۔ قیدی کو لے جانے کے لیے تیار!
"مالک!" اس نے مسکرا کے وانگ لی کو مخاطب کیا۔ سپاہیوں نے اسے جبراً اٹھایا اور گاڑی کی طرف لے جانے لگے۔
"جب میں نے کہا تھا کہ میں بادشاہوں اور رئیسوں کے ساتھ بھی گھوما ہوں اور محلوں میں بھی رہا ہوں تو میں نے درست کہا تھا۔ وان فاتح نہ کسی سے متاثر ہوتا ہے' نہ کسی بنداہارا سے ملنے سے ڈرتا ہے۔ آپ فکر مت کیجیے۔ مراد راجہ کو ابھی معلوم نہیں ہے کہ یہ ملاقات میری مرضی اور خواہش سے ہو رہی ہے۔"
وہ اسے گاڑی کی طرف لے جا رہے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلتا' گردن موڑے اپنے مالک کو مسکرا کے تسلی دے رہا تھا۔ فربہ چینی سفارت کار بس سر پہ ہاتھ رکھے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔
اس کا غلام آج اسے پہلی دفعہ "آزاد" لگا تھا۔

☆☆☆

سنہری دھوپ نیلے سمندر کی سطح پہ چمک رہی تھی۔ تاحدِ نگاہ پانی پھیلا تھا جو پرسکون اور شانت تھا' اور بڑے وقار سے اپنے سینے پہ ایک وسیع وعریض کشتی کو اٹھائے ہوئے تھا۔
کشتی کا بادبان ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ وہ کوئی عام کشتی نہ تھی۔ خوب اونچی اور چوڑی کشتی جس کے تہہ خانے میں کمرے بنے تھے اور وہاں شریفہ سامان جوڑتی دکھائی دے رہی تھی۔
زینے چڑھ کے اوپر آؤ تو کشتی کا یہ کھلا عرشہ تھا جس کے دونوں کونوں میں تیر کمان اور اسلحے سے لیس سپاہی چوکنے کھڑے سمندر کو نگاہوں میں رکھے ہوئے تھے کہ ابھی پانی میں کوئی ہلچل مچے تو ان کے تیر مدافعت کے لیے تیار تھے۔
عرشے کے وسط میں لکڑی کے پھٹے لگے تھے۔ تالیہ وہاں بیٹھی تھی۔ اس نے شہزادیوں کے لباس کے برعکس سیاہ پاجامہ قمیص پہن رکھی تھی۔ اس کے اوپر سیاہ چغہ تھا جو ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ سرد ہوا سے چغے کی ٹوپی بار بار پیچھے گر جاتی اور کانوں پہ ہوا لگنے لگتی۔
"یہ تمام سپاہی آپ کے اعتبار کے ہیں نا؟" ایڈم سامنے والے پھٹے پہ بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ جو دور تک پھیلے سمندر کو دیکھ رہی تھی' چونک کے مڑی۔
ایڈم کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ کرتے پاجامے کے اوپر سیاہ چغہ پہنے اس نے سردی سے بچنے کے لیے مفلر بھی کانوں کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔
"ہاں.... میں نے ان کی وفاداری فی الحال تو خریدی ہوئی ہے۔ ہم ان کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ مراد راجہ نے اس جزیرے پہ اپنا سونا یوں ہی تو نہیں چھوڑا ہو گا۔ پوری فوج تعینات کر رکھی ہو گی۔ ہمیں ان کے مقابلے کے لیے ان سب کی ضرورت ہے۔" پھر اس نے کھوجتی نگاہوں سے سمندر کو دیکھا۔
"کتنا فاصلہ رہ گیا ہے؟"
"بس اب ہم قریب ہیں۔" ایڈم نے افق کو

دیکھتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا تو وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔
"یہ کہاں سے سیکھا تم نے؟"
"کیا؟"
"یہ نقشے پڑھنا.... سمندر میں راستے تلاش کرنا....."
"آپ بھول رہی ہیں' میں فوج میں تھا اور وہاں یہ سب سکھاتے ہیں۔"
وہ جواب میں کچھ تیکھا کہنے لگی مگر پھر ارادہ بدل دیا اور دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔
"تم واپس جا کے کیا کرو گے؟"
ایڈم دھیما سا مسکرایا۔ "آپ کو واپس جانے کا جتنا یقین ہے اتنا مجھے نہیں ہے' چے تالیہ! لیکن اگر میں واپس گیا تو..." اس نے سوچنے والے انداز میں سانس اندر کھینچی۔ "تو میں کسی سیکیورٹی کمپنی میں اپلائی کروں گا اور کہیں گارڈ بھرتی ہو جاؤں گا۔ اس سے بہتر جاب مجھے نہیں ملے گی کیونکہ نہ میرے پاس تعلیم ہے نہ تجربہ۔"
"تجربہ تو یہاں تم نے بہت حاصل کیا ہے۔"
"مگر یہ تجربہ وہاں میرے کس کام آئے گا؟ وہ دوسری دنیا ہے' چے تالیہ۔" اس نے یاد دلایا۔ پھر قدرے ٹھہر کے بولا۔ "اور آپ؟ آپ کیا کریں گی؟"
"میں!" وہ پرجوش انداز میں مسکرائی۔ "میں سب سے پہلے اس خزانے کو کھود کے نکالوں گی' پھر تھوڑا سا بیچوں گی اور ایک گھر خریدوں گی۔"
"جزیرے پہ محل؟ جو آپ کا خواب تھا؟"
تالیہ کا منہ بن گیا۔ "ہرگز نہیں۔ بہت دیکھ لیے جزیرے اور بہت دیکھ لیے محل۔ اب مجھے کسی پررونق' ہجوم والی جگہ پہ گھر لینا ہے۔ جہاں مارکیٹ' ریسٹورنٹس اور ٹریفک کا شور ہنگامہ ہو۔"
"کے ایل کے بالکل وسط میں ایک علاقہ ہے جہاں...."
"کے ایل نہیں' ایڈم۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں کہیں دور چلی جاؤں گی۔ کسی دوسرے ملک اور نئی زندگی شروع کروں گی۔"
وہ بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ "یعنی آپ یہ طے کر چکی ہیں کہ وان فاتح واپس جاتے ہی آپ کو چھوڑ دیں گے؟"
"انہوں نے مجھے اپنایا ہی کب ہے؟ اور ظاہر ہے وہ چھوڑ دیں گے۔ ویسے بھی میں اتنی باوقار ہوں کہ کسی کے بس نام کے سہارے پہ زندگی نہیں گزاروں گی۔" نخرے سے سر جھٹکا۔
"لیکن ہو سکتا ہے وہ آپ کو نہ چھوڑیں۔ ان کو آپ سے محبت ہو جائے۔ ساری تلخیاں' سارے خواب' سب بھول جائیں وہ اور ایک دنیا سے ٹکر لے کر آپ کو اپنا لیں۔"
"میں چور تھی' جھوٹی تھی' لوگوں کو لوٹتی تھی مگر گھر توڑنے والوں میں سے نہیں تھی' ایڈم۔ میں ان کے بیوی بچوں کی زندگی کبھی خراب نہیں کروں گی۔" اسے جیسے اس بات پہ دکھ ہوا تھا۔ "اور یہ شادی.... یہ میری مرضی سے نہیں ہوئی۔ یہ ان کی ایماء پہ ہوئی ہے۔ داتن ہوتی تو کتنا ہنستی۔" بڑے دن بعد آج وہ یاد آئی تھی۔ مگر پھر اس نے یاد کو جھٹک دیا۔
"اچھا ٹھیک۔ فرض کیا انہوں نے آپ کو جاتے ساتھ ہی تنسیخ نکاح کے کاغذات پکڑا دیے ہیں' اس کے بعد کیا کریں گی آپ؟"
لہروں کے شور کو سنتے چند لمحے کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔
"تعلیم تو میری بھی خاص نہیں ہے مگر تجربہ بہت ہے۔ میں پینٹ کروں گی اور آرٹ ورکس بناؤں گی۔ اس خزانے سے امیر بھی ہو جاؤں گی' دنیا گھوموں گی' نئے دوست بناؤں گی۔"
"اور پرانے دوستوں سے بہت دور جانا چاہتی ہیں آپ!" وہ اداسی سے مسکرایا۔
"پرانے دوست بھی تو اپنی زندگیوں میں مگن ہو جائیں گے۔ تم سیکیورٹی گارڈ بن جاؤ گے' میں آرٹسٹ اور وان فاتح...."
"وہ تو وزیراعظم بنیں گے۔" دونوں ایک ساتھ بولے اور پھر ہنس دیے۔ نیلا سمندر بھی ان کے

ساتھ ہنسا تھا۔

''کیا آپ ملاکہ کو مِس کریں گی' پے تالیہ؟''

تھوڑی دیر بعد وہ سمندر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ چاروں طرف گویا نیلی چادر سی بچھی تھی جس پہ وہ تیر رہے تھے۔

''یہاں ہے ہی کیا جسے میں مِس کروں گی؟''

''یہاں ہے ہی کیا؟ محترمہ! یہاں آپ شہزادی ہیں' حکم چلاتی ہیں' بے پناہ طاقت کی مالک ہیں۔ اور وہاں آپ لوگوں کی جیبیں کاٹتی پھرتی تھیں۔ روپ دھار دھار کے نوکریاں کرتی تھیں۔''

تالیہ نے برہمی سے اسے دیکھا۔ ''زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میری خوش اخلاقی ایکسپائر ہو جائے گی۔''

ایڈم کے چہرے کے زاویے فوراً سیدھے ہوئے۔ تالیہ تفاخر سے مسکرائی' مگر بجائے تعظیم پیش کرنے کے وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

سامنے سبز سی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔ دور کوئی جزیرہ سا تھا۔

''یہی ہے.... یہی ہے تین چاند والا جزیرہ۔'' وہ جوش سے کھڑا سپاہیوں کو ہدایت دینے لگا۔ ''کشتی کو اس طرف لے جاؤ۔''

وہ بے چینی سے اٹھی اور آسمان کو دیکھا۔ ''شام ڈھلنے کے قریب ہے۔ ہمیں چاند نکلنے کے وقت تک اس جگہ پہ پہنچ جانا چاہیے۔'' پھر چغہ سنبھالتی ہوئی آگے بڑھی اور سپاہیوں کے سر پہ جا رکی۔

''جزیرے پہ ضرور کوئی نہ کوئی ہمارا منتظر ہوگا۔'' وہ بلند آواز میں بولی اور سب رک کے اسے سننے لگے۔ ''سپاہی' فوج' مقامی لوگ۔ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ مگر تم لوگ.... تم پوری جانفشانی سے لڑو گے۔ یاد رکھو' ہم نے زندہ واپس جانا ہے وہ سب لے کر جس کے لیے ہم آئے ہیں۔ واپس پہنچ کے نہ صرف میں تم میں سے ہر ایک کو انعام و اکرام سے نوازوں گی بلکہ تمہیں آزاد بھی کر دوں گی۔'' وہ پورے قد سے کھڑی ان سے مخاطب تھی۔ ہوا سے چغہ پھڑ پھڑا رہا تھا اور ٹوپی پیچھے کو ڈھلک گئی تھی۔

''لیکن اس سے پہلے.... تم لوگوں کو لڑنا ہوگا۔ اس جزیرے اور اس کے آسیبوں سے.... تمہیں لڑنا ہوگا' اپنی شہزادی کے لیے لڑو گے نا؟''

''آپ ہمیں ہر امتحان میں پورا پائیں گی' شہزادی۔'' ایک سپاہی جوش سے بولا تو وہ مسکرائی اور گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا۔

''سارے خزانے' ساری جابز' تعلیم' ایوارڈز' انسان جو کچھ بھی حاصل کر لے' ہر چیز ایک طرف۔ اور ''طاقت اور حاکمیت'' ایک طرف ہے' ایڈم۔ ہاں' شاید اس چیز کو میں مِس کروں گی!''

ایڈم بس مسکرا دیا۔

وہ دونوں اب ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ کشتی تیزی سے تیرتی ہوئی جزیرے کے قریب جا رہی تھی۔ تالیہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہاں کیا ان کا منتظر ہوگا؟

کوئی آسیب.... کوئی فوج؟

☆☆☆

سلطنت محل پہ شام اترتی دکھائی دے رہی تھی اور اونچی دیواروں پہ لگی قندیلیں جلنے لگی تھیں۔ غلام اور کنیزیں نظم و ضبط سے سارے کام نپٹاتے پھر رہے تھے۔ ایسے میں محل کی ایک اونچی بالکونی میں ملکہ یان سوفو کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ تاج اور زیورات سے لدی پھندی' مسکرا کے نیچے دیکھ رہی تھی۔ بڑے دن بعد وہ اتنی پرسکون نظر آتی تھی۔

''اتنے پریشان کیوں ہو' وانگ لی؟'' اس کا مخاطب چینی سفارت کار عقب میں کھڑا تھا۔ چہرہ بے چین اور اداس لگتا تھا۔

''ملکہ عالیہ! مراد راجہ نے میرے غلام کو گرفتار کر لیا ہے۔ مجھے یہ سوچ کے خوف آ رہا ہے کہ اب کیا ہوگا؟''

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



شازیہ جمال

منہا کی دادی اکثر علی الاعلان یہ کہتی پائی جاتیں کہ ''کسی سے رشتہ جوڑتے وقت لڑکی سے پہلے اس کی ماں کو دیکھ لو کیونکہ لڑکیاں ماں کا عکس ہوتی ہیں اور لڑکے باپ کا پرتو۔'' لیکن دادی اپنے اس فرمان سے یوں مکر جائیں گی' یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کیونکہ خاندانی تاریخ گواہ تھی کہ دادی نے اپنی زندگی میں جو بات کہی اور چھوٹے